ISSN-0971-8338

یوجنا

ستمبر 2014 ترقیاتی ماہنامہ 10روپے

شہری منصوبہ بندی

ہندوستان میں شہری پالیسی پروگرام

آر بی بھگت

جھگی جھونپڑی سے پاک ہندوستان کے لئے ایک خاکہ

امیتابھ کنڈو

ہندوستانی شہروں میں دیہی مسائل اوران کا حل

نریندر پانی

اسمارٹ شہروں کی منصوبہ بندی

ایس چندر شیکھر / نہاریکا وینکٹیش

خصوصی مضمون

دریائے گنگا میں ماحولیاتی آبی بہاؤ

ایچ ایس سین/دیپانکر گھورائی

لال قلعہ کی فصیل سے

ہندوستان کے لئے وزیر اعظم کا لائحہ عمل

غریبوں کے لئے بیمہ اسکیم

یوم آزادی کے موقع پر ملک سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم نے ملک کی غریب آبادی کے لئے بینک کھاتہ کھولنے کی ایک اسکیم شروع کرنے کا اعلان کیا ہے۔ پردھان منتری جن دھن یوجنہ کے تحت ہر خاندان کے ایک اکاؤنٹ ہولڈر کو ایک ڈیبٹ کارڈ کے ساتھ ایک لاکھ روپے کا بیمہ لازمی طور پر فراہم کرایا جائے گا۔ اس سے بحران کی گھڑی میں غریب کنبوں کو فائدہ ملے گا۔

سانسد آدرش گرام یوجنا

وزیر اعظم نے سانسد آدرش گرام یوجنا شروع کرنے کا بھی اعلان کیا۔ اس کے تحت ممبران پارلیمنٹ کو اپنے حلقہ انتخاب میں ایک ماڈل گاؤں کو فروغ دینا ہوگا جس کی آبادی تین ہزار کے درمیان ہو۔ اس انتخاب کی شرائط بستی کے پس منظر میں وقت، مقام اور دیگر حالات ہوں گے۔ ان میں تعلیم، صفائی ستھرائی، ماحولیات، ہریالی اور مسلسل تعاون جیسے حقائق کا خیال رکھا جائے گا۔ ان گاؤوں کی بنیاد پر ہر ایک رکن پارلیمان کو اپنے منتخبہ علاقہ کے ایک گاؤں کو 2016 تک آدرش گاؤں بنانا ہوگا۔

مزید دو دو گاؤں کا انتخاب 2016 اور 2019 کے بعد کیا جائے گا۔ ہر ممبر پارلیمنٹ کو اپنی پانچ سال کے میعاد کار میں اپنے منتخبہ علاقوں میں پانچ آدرش گاؤں تیار کرنے ہوں گے۔ شہری علاقوں کے ممبران پارلیمنٹ اور راجیہ سبھا رکن بھی ایک ایک گاؤں اس اسکیم کے تحت گود لے سکتے ہیں۔ سانسد آدرش گرام یوجنہ کا مکمل لائحہ عمل 11 اکتوبر کو لوک نائک نارائن کے یوم پیدائش کے موقع پر سبھی ممبران اور ریاستی حکومتوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

برانڈ انڈیا

وزیر اعظم نے اس موقع پر ہندوستان کو مصنوعات سازی کے ایک مرکز کے طور پر فروغ دینے کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ مینوفیکچرنگ کے شعبہ کو فروغ دے کر ہی ہم نوجوانوں کو روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ درآمد اور برآمد کے مابین توازن قائم رکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اپیل کی کہ پوری دنیا میں برانڈ انڈیا کو قبولیت ملنی چاہئے۔ اس کے لئے انہوں نے "کم میک ان انڈیا" کا نعرہ بلند کیا۔

انہوں نے نوجوانوں سے کم از کم ایک ایسا پروڈکٹ بنانے، خصوصاً منجھولی اور چھوٹی صنعتوں کے شعبہ میں، بنانے کی اپیل کی جسے مستقبل میں ملک کو درآمد کرنا پڑے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو اس سمت میں بڑھنا چاہئے جہاں سے ہم ان پروڈکٹ کو ایکسپورٹ کرنے کے بارے میں سوچ سکیں۔ اگر ہماری دس لاکھ آبادی میں سے ایک نوجوان بھی ایسے پروڈکٹ کی پیداوار شروع کر دے تو ہندوستان اشیا کا خالص ایکسپورٹر بن جائے گا۔

انہوں نے ہندوستانی مصنوعات سازوں سے اپیل کی کہ وہ زیرو ڈیفکٹ اور زیرو ایفکیٹ پر کوئی سمجھوتہ نہ کریں۔ اشیا کی پیداوار اس طرح ہونی چاہئے کہ اس میں کوئی خامی نہ ہو، کہ انہیں مسترد نہ کیا جا سکے اور نہ ہی اس سے ماحول پر کوئی منفی اثر پڑے۔

سوچھ بھارت

صفائی ستھرائی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے وزیر اعظم نے اس سال گاندھی جی کے یوم پیدائش کے موقع پر 2 اکتوبر کو 'سوچھ بھارت' یوجنا شروع کرنے کا اعلان کیا۔ اسے گاندھی جی کے 150 ویں یوم پیدائش کے موقع پر 2019 تک پورا کیا جانا ہے۔ اس سے وابستہ ایک پروگرام کے دوران وزیر اعظم نے کہا کہ سوچھ بھارت مہم فوری طور پر شروع ہو جائے گی۔ اس کے آغاز کے طور پر ہم تمام اسکولوں میں بیت الخلا بنانے کا عزم کر سکتے ہیں جس میں لڑکیوں کے لئے علاحدہ بیت الخلا کا نظم ہو اور اسے پہلے ہی سال پورا کر لیا جائے گا۔

اس ہدف کی حصولیابی کے لئے وزیر اعظم نے تمام ممبران پارلیمنٹ سے ترقیاتی فنڈ کو اسی سال استعمال کرنے کی اپیل کی۔ ساتھ ہی انہوں نے کارپوریٹ دنیا سے کارپوریٹ سماجی ذمہ داری کے تحت اسکولوں میں علاحدہ بیت الخلا بنانے کی تجویز کو اولیت دینے کی اپیل کی۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ یوم آزادی کے موقع پر ہمیں ایسی حالت میں ہونا چاہئے کہ ملک میں کوئی بھی ایسا اسکول نہ بچے جہاں لڑکیوں کے لئے علاحدہ بیت الخلا نہ ہو۔

سرمایہ ہیں بیٹیاں

غیر متناسب صنفی توازن کے اہم موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کی اپیل کرتے ہوئے وزیر اعظم نے پورے ملک سے اپیل کی ہے۔ ملک میں فی ہزار لڑکوں پر 940 لڑکیاں ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹروں سے اپیل کی کہ وہ مادر رحم میں بچیوں کو قتل کی حوصلہ افزائی نہ کریں نیز انہوں نے کنبوں سے کہا کہ وہ ایک لڑکے کی چاہت میں لڑکیوں کے قتل سے گریز کریں۔ وزیر اعظم نے یاد دلایا کہ دولت مشترکہ کھیلوں میں تمغہ جیتنے والے 64 کھلاڑیوں میں 29 خواتین ہیں۔ انہوں نے ملک سے اپیل کی کہ بیٹیوں پر فخر کریں اور انہیں کندھے سے کندھا ملانے کا موقع دیں۔

☆☆☆

1SSN 0971. 8338

ترقیاتی ماھنامہ

یوجنا

نئی دہلی

ستمبر 2014 شہری منصوبہ بندی

☆ چیف ایڈیٹر کے قلم سے	اداریہ	2
☆ ہندوستان میں شہری پالیسی اور پروگرام	آر بی بھگت	3
☆ اسمارٹ شہروں کی منصوبہ بندی: ابتدا کہاں سے ہو؟	ایس چندر شیکھر/ نہاریکا وینکٹیش	8
☆ ہندوستان اور بنگلہ دیش: دریائے گنگا میں ماحولیاتی آبی بہاؤ	ایچ ایس سین/ دیپانکر گھورائی	10
☆ ہندوستانی شہروں میں دیہی مسائل اور ان کا حل	پروفیسر نریندر پانی	15
☆ نیو ڈیولپمنٹ بینک (کیا آپ جانتے ہیں؟)	واٹیکا چندرا	19
☆ سہولت معاہدہ: ہندوستان کو تائید کیوں نہیں کرنی چاہیے	نیلا بجا گھوش	20
☆ شہر کاری اور مستقبل کے چیلنج	للیتھا کامتھ	25
☆ ہندوستانی شہروں کے لئے مالیے کی فراہمی	آنند سہسرانمن/ وشنو پرساد	29
☆ جھگی جھونپڑی سے پاک ہندوستان کے لئے ایک خاکہ:	امیتابھ کنڈو	34
☆ ہندوستان میں منصوبہ بندی کو درپیش چیلنج	ڈاکٹر رولی ارانیہ/ پروفیسر چیتن ویدیہ	38
☆ راجیو آواس یوجنا سے سبق	گوتم بھان	43
☆ اساتذہ کا کردار اور ان کے درپیش مسائل	کفایت اللہ	48
☆ کیریئر: رابطہ عامہ اور ایڈورٹائزنگ	محمد کاشف	50
☆ بڑھتے قدم (ترقیاتی خبرنامہ)	ادارہ	کور۔2

چیف ایڈیٹر:
راجیش کمار جھا

سینئر ایڈیٹر
حسن ضیاء
فون: 23042566 **فیکس:** 23359578

ایڈیٹر
احسان خسرو

معاون: رقیہ زیدی
سرورق تزئین: جی پی دھوپے

جلد:34 شمارہ۔6
قیمت: 10روپے

جوائنٹ ڈائریکٹر (پروڈکشن):
وی کے مینا

سالانہ خریداری اور رسالہ نہ ملنے کی شکایت کے لئے رابطہ:
بزنس مینیجر:
pdjucir@gmail.com
فون: 011-26100207

مضامین سے متعلق خط، کتابت کا پتا:
ایڈیٹر یوجنا (اردو)، 538-A، یوجنا بھون
سنسد مارگ، نئی دہلی-110001
ای میل: yojana.urdu@yahoo.co.in
ویب سائٹ: www.publicationsdivision.nic.in
www.yojana.gov.in

● **یوجنا** اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی، آسامی، گجراتی، کنڑ، ملیالم، مراٹھی، تمل، اڑیہ، پنجابی، بنگلہ اور تیلگو زبان میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔☆ نئی ممبر شپ، ممبر شپ کی تجدید اور ایجنسی وغیرہ کے لئے منی آرڈر/ ڈیمانڈ ڈرافٹ/ پوسٹل آرڈر/ 'اے ڈی جی پبلی کیشنز ڈویژن (منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ) کے نام درج ذیل پتے پر بھیجیں: بزنس منیجر سرکولیشن: پبلی کیشنز ڈویژن (جرنلس یونٹ) بلاک iv لیول vii، آر کے پورم، نئی دہلی۔110066 فون: 011-26100207

زرسالانہ: 100 روپے، دوسال: 180 روپے، تین سال: 250 روپے، پڑوسی ملکوں کے لیے (ایئر میل سے) 530 روپے۔☆ یوروپ اور دیگر ممالک کے لیے (ایئر میل سے) 730 روپے۔

☆ اس شمارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، ضروری نہیں کہ یہ خیالات ان اداروں، وزارتوں اور حکومت کے بھی ہوں، جن سے مصنفین وابستہ ہیں۔

یوجنا منصوبہ بند ترقی کے بارے میں عوام کو آگاہ کرتا ہے مگر اس کے مضامین صرف سرکاری نقطۂ نظر کی وضاحت تک محدود نہیں ہوتے۔

چیف ایڈیٹر کے قلم سے

یوجنا

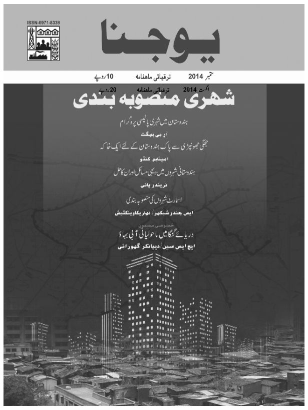

دوشہروں کی داستان

آپ خودکوچشم تصور میں دریائے گھا گھرا کے کناروں پرواقع ہڑپا تہذیب کے تاریخی شہر کالی بنگن کی صاف ستھری گلیوں میں گھومتے ہوئے محسوس کریں۔آپ ان گلیوں میں صفائی ستھرائی، پانی کی نکاسی کے منظّم انتظام اور شہر کی چہل پہل بھری عوامی اور کاروباری زندگی سے متاثر ضرور ہوں گے۔ماقبل تاریخ کے اس شہر کی شہری منصوبہ بندی یقیناً آپ کو متاثر ضرور کرے گی۔اگر چند ہزار سال پہلے مقدس گنگا کے کنارے پرواقع معروف شہر کاشی اور دریائے جمنا کے کنارے واقع شاہجہاں آباد کی جانب نظر ڈالیں تو یہ دونوں شہر بھی ہم پلہ نظر آئیں گے۔نیویارک کی سلی کون ویلی اور عالمی مالی مرکز شنگھائی سے مماثلت کا حامل ہندوستان کا سائبر-شہر بنگلورکو' ہمیں حیرت کے ساتھ ساتھ دادوتحسین دینے پر مجبور کردیتا ہے۔دراصل شہروں نے ہرزمانے میں انسانی تہذیب اوراس کے منتہائے عروج کی تصویر پیش کی ہے۔

بدقسمتی سے یہ شہر اپنے اندر لازمی طور پراس ترقی کا دوسرا پہلو بھی سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں اور پہلو ہوتا ہے غیر مساواتی رسائی، علاحدگی، غلاظت اوراور تعفن الگ تھلگ کردینے اور بے دخل کردینے کا' جو آج کے ہر جدید شہر میں دیکھا اوراور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ایک جانب فلک بوس عمارتیں ہوں گی تو اسی کے سائے میں تنگ بستیاں بھی بسی ہوں گی۔کسی بھی شہر میں ایک جدید ترین، چمک دمک کے حامل دفتر اور کاروباری مرکز کے ٹھیک عقب میں کھلا ہوا فٹ پاتھ ضرور ہوگا جو رات کے وقت جادوئی طور پر ایک وسیع کمیونٹی بیڈروم میں تبدیل ہوجاتا ہے اوراس بیڈروم کے استعمال کرنے والے گرمی، سردی، بارش اور کہرے کا سامنا بڑی بہادری سے کرتے ہیں اور سوتے وقت ان کے لبوں پر یہی دعا ہوتی ہے کہ رات کے وقت کوئی بے قابو لگژری کار اچانک فٹ پاتھ پر چڑھ کر انھیں روندتے ہوئے نہ گذر جائے اور صبح کے اخباروں میں ان کا تذکرہ مہلوکین کے طور پر نہ ہو۔شہر کے نام پر یہ کیفیت صرف ممبئی کی ہی نہیں ہے بلکہ اس کی مثال ہراس جدید شہر پر صادق آتی ہے جو اپنے اندر توقعات اور مواقع سمیٹے ہوئے ہیں۔پھر بھی ان شہروں میں پانی، ہوا، کشادہ جگہ اور خلوص ومحبت ناپید ہے۔

اس میں کوئی تنازعہ نہیں ہے کہ شہری کرن مستقبل کا دوسرا نام ہے۔تاریخ عالم کی اقتصادی ترقی کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ شہروں کا وجود میں آنا نہ صرف ایک فطری اور لازمی عمل ہے بلکہ ایسا ہونا بھی چاہئے۔نتیجے میں جواہلیت پیدا ہوتی ہے، اس سے ترقی کے عمل کو تقویت ملتی ہے۔تاہم اگر شہروں کو مفید کام دھندوں کا مرکز بننا ہے، سرگرمیوں کا مرکز اور مواقع کی آماجگاہ ثابت ہونا ہے تو اس کے لئے بڑی محتاط منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔منصوبہ بندی ہر حال میں کوئی باہر سے لادی ہوئی چیز نہیں ہے۔دراصل کسی بھی شہر کی نامیاتی ترقی کے امکانات کی تلاش کرکے اسے ایک جدید شہری بستی کی شکل دینے کی بصیرت ہی ہمیشہ مستقبل کے شہروں کا خاکہ فراہم کرسکتی ہے۔

آج ہمارے شہروں کی پہچان وہ کثیر منزلہ شیشوں سے سجی ہوئی عمارتیں ہیں جہاں بڑی مقدار میں توانائی صرف ہوتی ہے، شہری کرن کے ایک ناقص عمل کا نتیجہ ہیں اور آج یہ بھی سوچنا ہوگا کہ نامیاتی طور پر وجود میں آتے ہوئے شہروں کی تیز رفتار زندگی پر قائم یہ عمارتیں کس طرح سے اپنا تاریک اور ماحولیات کو تباہی سے ہمکنار کرنے والے اثرات سے بچ کر عوام کو پناہ، روزگار، زندگی کی حرارت اور قربت فراہم کرسکتی ہیں۔آج اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔معاشی خوش حالی کے علاوہ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ شہروں میں کتنی تعداد میں لوگ خودکشی کرتے ہیں، کتنے قتل ہوتے ہیں، کتنے حادثے ہوتے ہیں، کتنے بہیمانہ جرائم، معمولی باتوں پر سڑک پر ہونے والی مارپیٹ، سانس اور دل کی بیماریاں، بے یارومددگار بڑی تعداد میں بزرگ افراد، بے گھر اور فٹ پاتھوں پر رات بسر کرنے والے یہاں تک کہ طلاق اور کنبوں میں آنے والے بکھراؤ کی روک تھام جیسے امور کامیابی کی کسوٹی قرار دیئے جانے چاہئیں، تبھی ہم کسی شہر کی اچھی طرح منصوبہ بندی کرسکتے ہیں۔

چاہے وہ ہرے بھرے شہر ہوں یا چہل پہل بھرے نامیاتی شہر، شہری منصوبہ بندی کرنے والوں کو افزوں طور پر یہ احساس ہو رہا ہے کہ شہروں کی بڑی تعداد میں موجود خاموش اور نادار آبادی کو منصوبہ بندی کے اس کام میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔شہروں میں مجموعی افرادی قوت کا 75 فی صد حصہ غیر رسمی سیکٹر کا ہے۔آبادی کے اس بڑے اور تعداد کے لحاظ سے غالب طبقے اوران کے عمل دخل سے نظرانداز کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنے مستقبل کے شہروں کی منصوبہ بندی میں ناکام رہیں گے۔ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ کسی بھی شہر کے مضافات میں غیر محسوس طور پر بس جانے والے خوشحال طبقے کے آرام وسکون کو تباہ نہیں کرتیں بلکہ یہ بستیاں ہر طرح کی ضرورتوں کے لئے ستا مداوا ثابت ہوتی ہیں، چاہے گھر کی نوکرانی کی ضرورت ہو یا پلمبر کی، چاہے الیکٹریشن درکار ہو یا نجی سیکورٹی گارڈ، یہ سب انھیں بستیوں سے حاصل ہوتے ہیں ہر شہر میں لازمی طور سے ایک دوسرا شہر موجود ہوتا ہے جو غیر مرئی طور پر ہانپ ہانپ کر جیتا ہے اور محرومی اور عدم مساوات کا شکار رہتا ہے۔دوشہروں کی یہ داستان کراہت انگیز ہے اور اسے تبدیل ہونا ہی چاہئے۔اس سے پہلے کہ بہت تاخیر ہوجائے، اس بدحالی کو خوش حالی میں بدلنا ہی ہوگا اور یہ کام جتنے جلدی ہوجائے، اتنا ہی بہتر ہوگا۔

☆☆☆

آر بی بھگت

ہندوستان میں شہری پالیسی اور پروگرام

تعارف: مابعد نرم کاری مرحلہ کے دوران ہندوستان کی اقتصادی ترقی میں شہروں اور شہری مراکز کی اہمیت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔مثال کے طور پر ہندوستان کے جی ڈی پی میں شہری علاقوں کا تعاون جو 1950-51 میں 29 فیصد تھا، 1980-81 میں بڑھ کر 62 اور 2007 تک بڑھ کر 63 فیصد ہوگیا، جب کہ 2021 تک اس کے بڑھ کے 75 فیصد تک پہنچ جانے کی توقع ہے (منصوبہ بندی کمیشن 2008:394)۔ اس بات پر بھی زور دیا جارہا ہے کہ جی ڈی پی میں 9 تا 10 فیصد کا اضافہ بنیادی طور پر ہندوستانی شہروں کو زیادہ قابل رہائش اور جامع بنانے پر منحصر ہے (منصوبہ بندی کمیشن 2008:394)۔

سیاست اور پالیسیوں کو متاثر کرنے والی شہرکاری کی اہم خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ ذات پات اور مذہبی شناختوں پر مبنی سیاسی موبیلائزیشن کی پرانی شکل کے بجائے ترقی کے لئے درست بنیادوں پر مبنی اپروچ کے ذریعہ مقامی مسائل کو حل کرنے پر زیادہ توجہ دیتی ہے۔اس لئے عوام کو زیادہ بااختیار بنانے کی ایک نئی صورت ابھر رہی ہے، جس میں انہیں قانونی یقینی دہانی بھی حاصل ہے۔نئی پالیسی کی وجہ سے تبدیلیاں ہوئی ہیں جن میں حکمرانی کی نوعیت لازمی طور پر شہری ہے۔ بڑھتی ہوئی شہری اور دیہی تقسیم بھی قدیم شناختوں کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہے کیوں کہ شہری افراد اقتصادی او رسماجی وسائل تک رسائی کے تعلق سے زیادہ فکر مند ہوتے ہیں اور اپنی حالت کے لئے حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

ہندوستان کی شہری تاریخ کی ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ بیشتر شہر اور قصبات نے اپنے بل بوتے پر ترقی کی ہے۔ پالیسی اور پروگراموں نے بڑے شہری مراکز کو ایک حد تک متاثر تو کیا لیکن چھوٹے شہروں اور قصبات اور غیر میٹروپولیٹن علاقے بڑی حد تک شہری پالیسی اور پروگراموں سے متاثر نہیں ہوئے۔(شا 1996:224)

اس مقالہ میں شہری پالیسی ، منصوبہ بندی اور پروگراموں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور مستقبل کے لئے مشورے دئے گئے ہیں۔

پانچ سالہ منصوبوں میں شہری پروگرام اور منصوبہ بندی

ابتدائی دو پانچ سالہ منصوبوں کے دوران متعدد ادارے اور تنظیمیں قائم کی گئیں۔مثال کے طور پر اس مدت کے دوران ٹاون اینڈ کنٹری پلاننگ آرگنائزیشن، نیشنل بلڈنگ آرگنائزیشن اور دہلی ڈیولپمنٹ اتھارٹی قائم کی۔دہلی ماسٹر پلان بنانے کی تیاری کی گئی جو دیگر ریاستوں میں شہری پلاننگ کے لئے ماڈل کا کام کرسکے (شا 1996:225)۔اس مدت کے دوران ریاستوں کو شہر اور قصبات منصوبہ بندی قانون بنانے کا مشورہ دیا گیا تاکہ شہری زمین کے ریگولیشن کے لئے ماسٹر پلان تیار کیا جاسکے (رام چندرن 1989:570)۔

تیسرا پانچ سالہ منصوبہ (66-1961) شہری ڈیولپمنٹ اور پلاننگ کے لحاظ سے ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔اس نے ایک متوازن علاقائی ترقی میں شہروں اور قصبات کی اہمیت کو تسلیم کیا اور مشورہ دیا کہ شہری منصوبہ بندی کے دوران علاقائی اپروچ اختیار کیا جائے۔اس میں شہری زمین کے ریگولیشن، شہری زمین کی قیمتوں پر نگاہ رکھنے اور بڑے شہروں کے لئے ماسٹر پلان تیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔یہ بات بھی واضح کردی گئی کہ ماسٹر پلان بنانے کی ذمہ داری ریاستی اور مقامی حکومتوں کی ہے۔اس میں اس ضرورت پر بھی زور دیا گیا کہ جہاں تک ممکن ہوئے صنعتیں بڑے اور بھیڑ بھاڑ والے شہروں سے دور قائم کی جائیں اور میونسپل ایڈمنسٹریشن کو مضبوط کیا جائے۔

(http://planningcommission.gov.in/planrel/fiveyr/index6.html)۔

اس مدت کے دوران بیشتر ریاستوں نے ٹاون پلاننگ

پروفیسر اور صدر شعبہ مائیگریشن و شہری مطالعات
انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار پاپولیشن سائنسز،
ممبئی۔400088
ای میل: rbbhagat@iips.net

قانون نافذ کیا جو برطانوی ٹاؤن پلاننگ ڈیزائن اور طریقہ کار پر مبنی تھا۔ درحقیقت تیسرے منصوبہ کو ملک میں شہری پالیسی سازی کے لئے نہایت اہم سمجھا جاتا ہے(شا 226 -1996)۔ چوتھے پانچویں پنچ سالہ منصوبہ (74-1969) میں علاقائی اور شہری ترقیات کو فروغ دینے کے متعلق تیسرے منصوبہ میں شروع کئے گئے اقدامات کو آگے بڑھانے کا سلسلہ جاری رہا اور 72 شہری مراکز کے ترقیاتی پروگرام شروع کئے گئے۔ دہلی، ممبئی عظمی اور کلکتہ کے اطراف میں میٹروپالیٹن ریجن کے سلسلے میں علاقائی مطالعات کا آغاز کیا گیا۔ http://planningcommission.nic.in/plans/planrel/fiveyr/4th/4planch19.html.

مرکزی حکومت کے خصوصی گرانٹ کے ذریعہ چنڈی گڑھ، گاندھی نگر، بھوپال اور بھونیشور جیسے نئے ریاستی دارالحکومتوں کے فروغ کا کام تیز کیا گیا۔شہری قانون سازی کو بہتر بنانے پر بھی زور دیا گیا اور ریاستی حکومتوں کو شہری ترقیات کی راہ میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لینے کا مشورہ دیا گیا۔پانچویں پانچ سالہ منصوبہ کے دوران ہی اربن لینڈ(سیلنگ اینڈ ریگولیشن) ایکٹ 1976 پاس کیا گیا۔یہ مشورہ بھی دیا گیا کہ ریاستی حکومتیں انتظامی شہری حدود کے باہر کے بڑھتے ہوئے علاقوں کی دیکھ بھال کے لئے میٹروپالیٹن پلاننگ ریجن قائم کریں۔اس مدت کے دوران ایک انتہائی اہم پیش رفت کے تحت حکومت مہاراشٹر نے 1974 میں ممبئی میٹروپالیٹن ڈیولپمنٹ ایکٹ کو منظوری دی اور 26 جنوری 1975 کو میٹروپالیٹن ریجن ڈیولپمنٹ اتھارٹی (ایم ایم آر ڈی اے) کا قیام عمل میں آیا۔اسی مدت کے دوران ہاؤسنگ اینڈ اربن ڈیولپمنٹ کارپوریشن (ہڈکو) کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد شہری بلدیاتی اداروں، ہاؤسنگ بورڈوں اور دیگر تنظیموں کے پروجیکٹوں کو فنڈ فراہم کرنا ہے۔چوتھے پانچ سالہ منصوبہ کی ایک خاص بات میٹروپالیٹن شہروں اور قومی اہمیت کے حامل شہروں کو خصوصی مالی امداد فراہم کرنا تھا، جو پانچویں پانچ سالہ منصوبہ میں بھی جاری رہی۔اس کے ذریعہ انٹیگریٹیڈ اربن ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت کولکاتا، ممبئی اور چینئی کو خاص طور پر نیز قومی اہمیت کی حامل کئی دیگر شہروں کو بھی فنڈ فراہم کئے گئے۔

(http://planningcommission.nic.in/plans/planrel/fiveyr/welcome/html)

۔پانچویں منصوبہ تک بڑے شہروں کی طرف خصوصی توجہ تھی حالانکہ شہری اور صنعتی لامرکزیت کا شور ایک منصوبہ کے بعد دوسرے منصوبے میں سنائی دیتا رہا (شا 1996:227)۔

چھٹے پانچ سالہ منصوبے میں چھوٹے اور درمیانہ سائز کے(ایک لاکھ سے کم آبادی والے) قصبات کو فروغ دینے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔مرکزی حکومت نے 1979 میں انٹیگریٹیڈ ڈیولپمنٹ آف اسمال اینڈ میڈیم ٹاؤنس(آئی ڈی ایس ایم ٹی) اسکیم شروع کی۔آئی ڈی ایس ایم ٹی اسکیم کو 96 کروڑ روپے کی رقم دی گئی تاکہ 200 چھوٹے اور درمیانہ قصبوں کو فائدہ پہنچایا جاسکے۔

(http://planningcommission
.gov.in/plans/planrel/fiveyr/index6.html)

ساتویں پانچ سالہ منصوبے کے دوران کئی اہم ادارہ جاتی ڈیولپمنٹ ہوئے جنہوں نے ہندوستان میں شہری ترقیاتی پالیسی اور منصوبہ بندی کی صورت گری کی۔شہرکاری سے متعلق قومی کمیشن نے اگست 1988 میں اپنی رپورٹ پیش کی اور کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر ایک بل 1989 میں لوک سبھا میں پیش کیا گیا جسے 65 ویں آئینی ترمیم کے طور پر جانا جاتا ہے۔یہ بل شہری مقامی بلدیاتی اداروں کو آئینی حیثیت دینے کی سمت میں پہلا قدم تھا اور اس کا مقصد تین سطحی فیڈل اسٹرکچر قائم کرنا تھا جس میں مرکز سب سے اوپر، ریاستیں درمیانی سطح پر اور مقامی ادارے نچلی سطح پر رکھے گئے تھے۔ لیکن راجیہ سبھا میں یہ بل منظور نہیں ہوسکا کیوں کہ اسے ریاستوں کی خودمختاری میں مداخلت سمجھا گیا۔اس بل کو چند ترامیم کے ساتھ ایک بار پھر 74 ویں آئینی ترمیمی بل 1992 کے نام سے پیش کیا گیا جسے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے منظور کرلیا اور یہ مارچ 1993 سے نافذ العمل ہوا۔

آٹھویں منصوبہ کے دوران 94-1993 میں میگاسٹی اسکیم شروع کی گئی اور پانچ میگا شہروں ممبئی، کولکاتا، بنگلور، چینئی اور حیدرآباد کو اس میں شامل کیا گیا۔اس کے علاوہ آئی ڈی ایس ایم ٹی اسکیم کو بہتر بنایا گیا تاکہ انفرااسٹرکچر ڈیولپمنٹ پروگرام سے متعلق سرگرمیوں کو فروغ دیا جاسکے جس سے روزگار کے مواقع کو تقویت ملے اور بڑے شہروں سے چھوٹے اور درمیانہ قصبات کی طرف لوگوں کو منتقل کیا جاسکے۔شہری مرکزی علاقوں کی بہتری کے لئے چھوٹے اور درمیانہ قصبات کے رول کو اہم قرار دیا گیا۔بڑے شہروں کے لئے ماسٹر پلان کی طرح ہی یہ مشورہ دیا گیا کہ چھوٹے اور درمیانہ قصبات کے لئے بھی علاقائی منصوبہ بنائے جائیں۔یہ بات نوٹ کی گئی کہ فنڈ کی قلت ایک اہم عنصر ہے اور بجٹ و ادارہ جاتی انتظامات کے علاوہ بھی فنڈ کے دیگر وسائل تلاش کئے جانے چاہئیں۔

(http://planningcommission.
nic.in/plans/plan
-rel/fiveyr/vol2/8v2ch13.html)

نویں پانچ سالہ منصوبہ (2002-1997) میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ریاستی شہری کاری اسٹریٹیجی اس طرح تیار کی جائے کہ وہ مختلف شہری ترقیاتی پروگراموں سے ہم آہنگ ہو۔گوکہ آٹھویں پانچ سالہ منصوبہ میں جو پروگرام شروع کئے گئے تھے ان میں سے بیشتر نویں منصوبے میں بھی جاری رہے تاہم لامرکزیت اور شہری بلدیاتی اداروں کے لئے مالیاتی خودمختاری پر خصوصی توجہ دی گئی جس کا مقصد بازار کے حالات کے مطابق مسابقت اور صلاحیت کو فروغ دینا تھا۔NRY، UBSP اور PMIUPEP جیسے سابقہ پروگراموں کو ایک ساتھ ملا کر سورن جینتی شہری روزگار یوجنا (SJSRY) کے نام سے ایک نیا پروگرام یکم دسمبر 1997 سے شروع کیا گیا۔اس پروگرام میں دو اسکیمیں تھیں(۱) اربن سیلف ایمپلائمنٹ پروگرام اور (۲) اربن ویج ایمپلائمنٹ پروگرام۔این آر وائی اور

PMIUPEP کے موجودہ خودروزگار اور اجرت روزگار عنصر کی اس واحد پروگرام کے تحت تشکیل نو کی گئی۔مزید براں این آر وائی اور PMIUPEP کے شیلٹر اپ گریڈیشن کمپونینٹ کو ملا دیا گیا اور 1997 میں نیشنل سلم ڈیولپمنٹ پروگرام (این ایس ڈی پی) کے نام سے ایک نیا پروگرام شروع کیے گیا۔

(http://planningcommission.nic.in ۔/plans/planrel/fiveyr/9th/vol2/v2c2-2.htm)

تاہم مالی سال 06-2005 سے یہ پروگرام معطل ہے۔یہ بھی ایک المیہ ہے کہ چھوٹے اور درمیانہ قصبوں کے لئے فنڈنگ کافی کم ہے۔مثال کے طور پر آئی ڈی ایس ایم ٹی اسکیم آٹھویں پانچ سالہ منصوبہ کے اختتام تک 904 قصبات کا احاطہ کرتا تھا لیکن اس کے لئے مرکزی امداد صرف 283.96 کروڑ روپے دی گئی۔

2001۔(http://planningcommission.nic.in/plans/planrel/fiveyr/9th/vol2/v2c3-7.htm)

کی مردم شماری کے مطابق 4500 ایسے شہری مراکز تھے جو چھوٹے اور درمیانہ قصبات (تین لاکھ سے کم) کے زمرے میں آتے تھے لیکن ان کے لئے الاٹمنٹ نہ صرف بہت کم تھی بلکہ یہ چھوٹے اور درمیانہ قصبات کے صرف 20 فیصد کا احاطہ کرتے تھے۔ان حالات میں یہ ممکن نہیں کہ یہ قصبات ملک میں ترقیاتی مرکز کے طور پر کام کرسکیں ،شہر کاری کو پھیلاسکیں اور علاقائی ترقی کو فروغ دے سکیں۔

دسویں پانچ سالہ منصوبہ (2002-2007) میں اس حقیقت کو تسلیم کیا گیا کہ شہر کاری نے 1980 اور 1990 کی دہائی میں اقتصادی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔یہ بات بھی نوٹ کی گئی کہ پانچ شہروں کے لئے میگا سٹی پروجیکٹ، انٹیگر یٹیڈ ڈیولپمنٹ آف اسمال اینڈ میڈیم ٹاون (آئی ڈی ایس ایم ٹی) اور ایکسیلیر یٹیڈ اربن واٹر سپلائی پروگرام (اے یو ڈبلیو ایس پی) جیسے پروگراموں کو محدود کامیابی ملی ہے۔یہ بات بھی نوٹ کی گئی کہ ماضی میں مرکزی امدادی رقم غیر مساوی اورنا کافی تھی۔آئی ڈی ایس ایم ٹی اور میگا سٹی پروجیکٹ جیسے انفراسٹرکچر کی مدد کے لئے موجودہ اسکیموں نے مرکزی تعاون کے بغیر بہت سے شہروں کو درمیان میں ہی چھوڑ دیا ہے۔دسویں منصوبہ میں یہ بات بھی نوٹ کی گئی کہ این ایس ڈی پی کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں رہی اس کی خاص وجہ ان اسکیموں کو نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو ریاستی سطح پر بروقت فنڈ جاری نہیں کیا جانا تھی۔خط افلاس سے نیچے رہنے والے افراد کو رہائش فراہم کرنے اور ان کی موجودہ رہائش کو بہتر بنانے کے لئے 2001-2002 میں والمیکی امبیڈکر آواس یوجنا کے نام سے ایک پروگرام شروع کیا گیا۔شہر کے سائز کے مطابق ہر یونٹ کو 20 تا 30 ہزار روپے کی سبسڈی دی گئی۔ یہ بات بھی تسلیم کی گئی کہ ڈیولپمنٹ اتھارٹی جیسے باا ثر ایجنسیوں اور اداروں کو امدادی رول ادا کرنے اور اربن لوکل باڈیز (یو بی ایل) کے ساتھ پارٹنر شپ کرنے کی ضرورت ہے۔مجموعی طور پر دسویں منصوبہ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ جمہوری ڈھانچہ اور یو ایل بی کے ادارہ جاتی ڈھانچہ کو مضبوط کئے بغیر شہری ترقی کا نشانہ حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(http://planningcommission.nic.in/p/ planrel/fiveyr/10th/volume2/v2_ch_1.pdf)

گیارہویں پانچ سالہ منصوبہ (2007-12) میں شہری پالیسی اور پروگراموں میں کچھ اختراعی تبدیلیاں کی گئیں۔شہری ترقیاتی کی کلیدی اسٹریٹیجی درج ذیل تھی۔

ا۔اربن لوکل باڈیز کو صلاحیت سازی اور بہتر مالیاتی مینجمنٹ کے ذریعہ مضبوط کرنا۔

۲۔زمین کو ڈی ریگولرائز یا ورڈیولپ کر کے شہروں کی صلاحیت اور پیداواریت کو بڑھانا۔

۳۔شہری انفراسٹرکچر پر پبلک سیکٹر کی اجارہ داری کو ختم کرنا اور پرائیوٹ سیکٹر کو سرمایہ کاری کے لئے سازگار ماحول تیار کرنا۔

۴۔پبلک اور پرائیوٹ سیکٹر کے کام کاج پر نگاہ رکھنے کے لئے آٹونومس ریگولیٹری فریم ورک بنانا۔

۵۔غربت کے واقعات کو کم کرنا۔

۶۔ٹکنالوجی اور اختراعات کا بڑے پیمانے پر استعمال کرنا۔

شہری ترقیاتی لائحہ عمل کو تقویت فراہم کرنے کے لئے مرکزی حکومت نے دسمبر 2005 میں جواہر لال نہرو نیشنل اربن ری نیول مشن (جے این این یو آر ایم) کے نام سے ایک بڑی پہل کی۔جس کا مقصد ابتدا میں 63 منتخب شہروں میں شہری انفراسٹرکچر اور خدمات کی مربوط ترقی پر توجہ دینا تھا۔اس میں شہری غریبوں کو بنیادی سہولیات جس میں مکانات، پانی کی سپلائی، صفائی ستھرائی، روڈ نیٹ ورک، شہری ٹرانسپورٹ، اندرونی/پرانے شہری علاقوں کا فروغ وغیرہ شامل ہے۔میگا سٹی، آئی ڈی ایس ایم ٹی، این ایس ڈی پی اور وی اے ایم بی اے وائی جیسے سابقہ پروگراموں کو اس میں انضمام کر دیا گیا۔

جے این این یو آر ایم دو حصوں میں منقسم ہے یعنی (ا) اربن انفراسٹرکچر اور گورننس (یو آئی جی) پر ذیلی مشن اور (۲) شہری غریبوں کو بنیادی خدمات (بی ایس یو پی) پر ذیلی مشن۔ غیر مشن شہروں اور قصبات کو اربن انفراسٹرکچر ڈیولپمنٹ اسکیم فار اسمال اینڈ میڈیم ٹاون (یو آئی ڈی ایس ایس ایم ٹی) اور انٹیگر یٹیڈ ہاوسنگ اینڈ سلم ڈیولپمنٹ پروگرام (آئی ایچ ایس ڈی پی) کے تحت غیر مشن شہروں اور قصبات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ وزارت برائے تعمیرات اور انسداد شہری غربت (ایم او ایچ یو پی اے) بی ایس یو پی اور آئی ایچ ایس ڈی پی کے لئے نوڈل وزارت ہے، جو بنیادی طور پر شہری غریبوں بالخصوص جھگی جھونپڑی میں رہنے والوں کو مکانات اور بنیادی سہولیات کی دیکھ ریکھ کرتی ہے۔ان اسکیموں کے تحت دیگر بنیادی سہولیات مثلاً صفائی ستھرائی، پانی کی سپلائی، سیوریج، کچڑوں کو ٹھکانے لگانے وغیرہ جیسی بنیادی خدمات بھی انجام دی جاتی ہے۔دوسری طرف شہری ترقیات کی وزارت (ایم او یو ڈی) جے این این یو آر ایم کے تحت یو آئی جی اور یو آئی ڈی ایس ایس ایم ٹی اسکیموں کو دیکھتی ہے۔

جے این این یو آر ایم کے تحت ہر شہر کے لئے اپنا سٹی ڈیولپمنٹ پلان اور شہر کے لئے طویل مدتی ویژن اور اس کی ترقی کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا لازمی ہے۔اس نے شہری اصلاحات کی کئی شرطیں بھی عائد کی ہیں مثلاً لینڈ

سیلنگ ایکٹ 1976 کا خاتمہ، یو ایل بی کو بااختیار بنانا، میونسپل اکاؤنٹنگ میں بہتری اور صلاحیت سازی۔ اس کا ایک مقصد ڈیولپمنٹ میں پرائیویٹ سیکٹر کو شامل کرنا اور پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ (پی پی پی) کے ذریعہ پروجیکٹوں کے لئے مالیات فراہم کرنا بھی ہے۔

گیارہویں منصوبہ میں ایس جے ایس آر وائی کے تحت روزگار کے مواقع پیدا کرنا اور غربت کا خاتمہ پر ایک بار پھر زور دیا گیا اور اس کے لئے ہنر کے فروغ، خود امدادی گروپوں اور روزگار کے لئے مائیکرو فائنانس پر توجہ دی گئی۔ کیرالہ کے کدم شری ماڈل اور ملک کے مختلف حصوں میں اپنائے گئے بہترین طریقہ کار کو ایس جے ایس آر وائی کے تحت اختیار کرنے کا مشورہ دیا گیا (منصوبہ بندی کمیشن 2008)۔

گیارہویں منصوبہ کے مڈ ٹرم تجزیہ میں اعتراف کیا گیا کہ شہری ترقیات اور شہری تجدید کے لئے جے این این یو آر ایم کے تحت بہت بڑے فنڈ کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تقریباً 4-3 لاکھ کروڑ روپے کے فنڈ کا اندازہ لگایا گیا جب کہ جے این این یو آر ایم کے تحت اس کے سات سالہ مدت (2012-2005) کے لئے صرف 66,000 کروڑ روپے الاٹ کئے گئے تھے۔

(http://planningcommission.nic.in/plans/mta/11th_mta_chapterwise/chap18_urban.pdf)

بارہویں پانچ سالہ منصوبہ (2012-2017) میں جے این این یو آر ایم کو مستحکم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے اور شہری اصلاحات میں اس کے لئے وسیع رول طے کیا گیا ہے۔ بارہویں منصوبے کے دوران جے این این یو آر ایم کے درج ذیل عناصر ہوں گے۔

۱۔ اربن انفرا اسٹرکچر اور گورننس (یو آئی جی)
۲۔ راجیو آواس یوجنا (آر اے وائی)
۳۔ آر اے آئی کے تحت نہیں آنے والے شہروں میں جھونپڑ پٹی علاقوں کی باز آبادکاری
۴۔ صلاحیت سازی

یہ بات نوٹ کی گئی کہ پروگرام کے نفاذ میں جو رکاوٹیں ہیں ان میں اصل دھارے کی شہری منصوبہ بندی میں ناکامی، نامکمل اصلاحات اور پروجیکٹوں کے نفاذ کی سست رفتار قابل ذکر ہیں۔ سست رفتار ترقی کی وجوہات میں پروجیکٹوں کے لئے زمین کے حصول اور مختلف ریگولیٹری اتھارٹیز سے منظوری کے حصول میں تاخیر شامل ہیں۔ یہ پایا گیا کہ بہت سے شہروں میں شہری منصوبہ بندی تو ابھی شروع بھی نہیں ہوئی ہے اور کئی شہروں میں انہیں مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے علاوہ شہری حدود سے باہر کے شہری علاقوں کو چھوڑ دیا جانا شہری ترقیاتی منصوبہ کو متاثر کرتا ہے۔

راجیو آواس یوجنا (آر اے وائی) کو 2 جون 2011 کو شروع کیا گیا۔ اس کا مقصد دو سال کی مدت کے لئے جھگیوں سے پاک ہندوستان کا ایک پائلٹ پروجیکٹ تیار کرنا تھا۔ مرکزی حکومت نے بالآخر 2013-2022 کی مدت کے لئے 3 ستمبر 2013 کو آر اے آئی کو منظوری دے دی۔ جھونپڑ پٹیوں کو اپ گریڈ کرنے اور انہیں ان کی رہائش گاہوں کی ملکیت کے حقوق دینے میں ریاستی اور شہری حکومتوں کی مدد کرنا اور ہندوستان کی تیز رفتار سے جاری شہر کاری کے منصوبے کو پورا کرنے میں مدد کرنا، تاکہ مزید جھونپڑ پٹی نہیں بن سکیں، اس اسکیم کا خاص مقصد ہے۔ یہ اسکیم کسی شہر میں تمام جھونپڑ پٹیوں پر نافذ ہوتا ہے، خواہ وہ نوٹیفائی ہوں یا غیر نوٹیفائی، خواہ وہ مرکزی حکومت کی زمینوں پر آباد ہوں یا اس کے ماتحت اداروں کی زمینوں پر یا اس کے آٹونومس اداروں کی زمینوں پر۔ یہ شہر کے منصوبہ بندی علاقے کے اندر شہری گاؤں، شہری بے گھروں اور سڑکوں کے کنارے رہنے والوں پر بھی عائد ہوتا ہے۔ (http://mhupa.gov.in/ray/ray_index.htm)۔

بارہویں منصوبہ کے دوران ایس جے ایس آر وائی کے تحت شہری غربت کو کم کرنے اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے پروگرام کو نیشنل اربن لائیولی ہڈ مشن کے تحت لانے کی تجویز پیش کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی زور صلاحیت سازی اور رہنر کو فروغ دینے پر ہے تاکہ شہری غریب روزگار کے بڑھتے ہوئے مواقع سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ماہرین نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ آئین کے 74 ویں ترمیم کا نفاذ نیم دلی سے ہو رہا ہے کیوں کہ ریاستی حکومتوں نے یو ایل بی کو آئینی گنجائشات کے تحت اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لئے پوری طرح بااختیار نہیں بنایا ہے۔ دوسری طرف بہت سے پروگرام اس لئے بہت زیادہ کامیاب نہیں ہو سکے کیوں کہ شہری علاقے کسی واحد کنٹرول اور ملکیت میں نہیں آتے ہیں اس لئے مقامی سطح پر پروگراموں کے ارتکاز کا فقدان ہے (ایچ پی ای سی 2011-13)۔

شہری گورننس اور پلاننگ: مستقبل کا لائحہ عمل

ہندوستان کے منصوبہ سازی کا عمل مرکزی، اوپر سے نیچے اور سیکٹر پر مبنی ہے۔ یہی بات شہری ترقیات کی منصوبہ بندی پر بھی لاگو ہوتی ہے جس میں بالخصوص شہری مکانات، پانی کی سپلائی، صفائی ستھرائی، جھونپڑ پٹیوں کی بہتری، شہری انفرا اسٹرکچر، میگا سٹی اور چھوٹے اور درمیانہ قصبات وغیرہ پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ گو کہ شہری ترقیات ریاست کا موضوع ہے ریاستیں شاذ و نادر ہی ایک مربوط شہری ترقیاتی اسٹریٹیجی اور منصوبہ بندی کے بارے میں سوچتی ہیں۔ ریاستی منصوبہ بندی کمیشن / بورڈ شاید ہی کبھی ریاستی شہری ترقیاتی پروگرام پیش کرتی ہیں وہ بالعموم ہندوستانی منصوبہ بندی کمیشن پر ہی منحصر کرتی ہیں۔ دوسری طرف شہری ترقیات کا معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ شہری علاقوں پر شہری سہولیات مثلاً بجلی تک رسائی، پینے کا پانی، صفائی ستھرائی اور ایل پی جی وغیرہ کے لئے مسلسل دباؤ بنا رہتا ہے۔ سڑکوں پر جام، ٹریفک، آبی اور فضائی آلودگی، کچڑوں کو ٹھکانے لگانا، قانون وانتظام وغیرہ بھی کچھ دیگر ایسے امور ہیں جو شہری گورننس کے لئے تشویش کا باعث ہوتے ہیں۔ شہری منصوبہ بندی کا کام شہری لوکل باڈیز کے ذریعہ کیا جانا چاہئے جو میونسپل کارپوریشن، میونسپلٹی اور نگر پنچایتوں، جسے یو ایل بی کہا جاتا ہے، پر مشتمل ہو اور اسے ریاستی حکومت کا تعاون حاصل ہو۔ لوکل باڈیز کو ان کے دائرہ کار کی وضاحت، مالی وسائل

اور آٹونومی کے ساتھ بااختیار بنایا جانا چاہئے۔ یو ایل بی کے انتظامی، مینیجریل اور تکنیکی صلاحیت کو بھی بڑھانے کی ضرورت ہے۔ اس بات کو واضح طور پر تسلیم کیا جائے کہ شہری منصوبہ بندی کو شہری گورننس سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ بڑی شہری آبادیوں کے لئے جو کئی میونسپل اداروں اور گاؤں تک پھیلے ہوں، کی منصوبہ بندی آئین کی 74 ویں ترمیم کے مطابق میٹروپولیٹن پلاننگ کمیٹی کے ذریعہ کی جانی چاہئے۔ ہندوستان میں بیشتر شہروں کے لئے موثر شہری منصوبہ بندی میں سنگین کمی پائی جاتی ہے۔ بہت سے بڑے شہروں کے لئے بنائے گئے منصوبے ازکار رفتہ ہوچکے ہیں اور بالخصوص شہری باشندوں اور بالعموم غریب شہریوں کی امنگوں کا مظہر نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ جہاں منصوبوں کو اپ ڈیٹ کیا گیا ہے یا نئے منصوبے تیار کئے گئے ہیں وہاں بھی اسے مشیروں اور تکنیکی ماہرین نے تیار کیا ہے جبکہ حقیقی معنوں میں منصوبہ سازی شہریوں کو شامل کیا جانا چاہئے تاکہ ان کی ضرورتوں اور تشویش کا خیال رکھا جاسکے۔ اسے شراکتی اور لامرکزیت والا ہونا چاہئے۔ یو ایل بی کو جمہوری بنانے اور بااختیار بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ شہر کے میئر کو اختیارات اور کام دونوں لحاظ سے ذمہ دار بنایا جانا چاہئے۔ دنیا کے بہت سے بڑے شہروں نے بڑے شہروں کی دیکھ ریکھ کا مسئلہ میئر کی سربراہی والی منتخب مقامی حکومتوں کے ذریعہ حل کرلیا ہے۔ مثال کے طور پر لندن اور نیویارک کے میئر اپنے شہروں کے اسٹریٹیجک گورننس کے لئے براہ راست جواب دہ ہیں اور ان کے پاس خاطر خواہ وسائل اور سیاسی طاقت بھی ہوتی ہے۔ چونکہ شہری اداروں کے پاس اختیارات اور وسائل کا فقدان ہوتا ہے اس لئے اربن ڈیولپمنٹ اتھارٹی جیسے اداروں کا لگ بھگ شہر پر قبضہ ہوجاتا ہے اور وہ ریئل اسٹیٹ اور انفرااسٹرکچر کو فروغ دیتے ہیں۔ دوسری طرف بنیادی خدمات مثلاً پانی، صفائی ستھرائی، تعلیم، صحت کی دیکھ بھال اور شیلٹر وغیرہ کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ چونکہ شہری ترقیات ریاست کا موضوع ہے اس لئے ریاستی حکومتوں کو شہر کے رول کو سمجھنا چاہئے اور لوکل باڈیز کو انتظامی اور مالی دونوں لحاظ سے بااختیار بنانے کے لئے شہری اصلاحات کا آغاز کرنا چاہئے۔ تاکہ ہم شہروں کو محض چند لوگوں کی قیام گاہ کے بجائے انسانی ترقی کا ذریعہ بناسکیں۔

☆☆☆

عام آدمی تک ترقی کے ثمرات پہنچانے کی وزیراعظم کی اپیل

☆وزیراعظم جناب نریندر مودی نے کہاکہ اگر ہندوستان کو ایک ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے اُبھرنا ہے تو پھر ملک کا کوئی بھی حصہ کمزور اور کم ترقی یافتہ نہیں رہ سکتا۔ وزیراعظم نے کہاکہ مشرقی ہندوستان کم ترقی یافتہ ہے اور ترقی پورے شمال، جنوب ،مشرق اور مغرب میں متوازن ہونی چاہیے تاکہ ملک بھر کے عام آدمی یکساں طور پر ترقی کے ثمرات سے فیضیاب ہوسکیں۔ وزیراعظم رانچی میں نیشنل ڈیجیٹل لٹریسی مشن کے افتتاح کے بعد ایک اجتماع سے خطاب کررہے تھے۔ وزیراعظم نے اس موقع پر جسیڈیھہ میں آئی او سی آئل ٹرمنل اور 765کے وی رانچی دھرم جئے گڑھ ۔ سپات ٹرانسمیشن لائن قوم کے نام وقف کیا۔ وزیراعظم نے اعلان کیاکہ جگدیش پور۔ پھول پور۔ ہلدیہ ۔ پائپ لائن پر کام جلد ہی شروع ہوجائے گا جوکہ مشرقی ہندوستان کے لیے توانائی کا ایک بڑا ذریعہ بن جائیگا۔ وزیراعظم نے نارتھ کرنپورا سُپر تھرمل پاور پلانٹ میں کام کا افتتاح بھی کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس پاور پلانٹ سے جھارکھنڈ سے تاریکی کا خاتمہ ہوگا۔ وزیراعظم نے انفارمیشن ٹیکنالوجی سے متعلق دو پروجیکٹوں کا سنگ بنیاد بھی رکھا۔ انھوں نے کہاکہ ریاست جھارکھنڈ میں ترقی کے زبردست امکانات ہیں اور وہ محبت اورھمدردی کے ذریعے جھارکھنڈ کے لوگوں کو ترقی دیں گے۔ وزیراعظم نے اس بات پر زور دیا کہ اگر ہندوستان کو ترقی یافتہ بننا ہے تو ملک کی ریاستوں کو بھی ترقی یافتہ بنانا ہوگا۔

انھوں نے کل کابینہ کے اس فیصلے کا حوالہ دیا جس میں دھاتوں پر رائلٹی ریٹ بڑھانے کی بات کہی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس فیصلے سے جھارکھنڈ کو غیر معمولی فائدہ ہوگا۔ جھارکھنڈ کے گورنر جناب سید احمد، وزیراعلیٰ جناب ہیمنت سورین ، اطلاعات اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے مرکزی وزیر جناب روی شنکر پرساد، بجلی کے مرکزی وزیر مملکت (آزادانہ چارج) جناب پیو ش گوئل اور پیٹرولیم اور قدرتی گیس کے مرکزی وزیر مملکت (آزادانہ چارج) اس موقع پر موجود تھے۔

☆☆☆

ایس چندرا شیکھر/نہاریکا وینکٹیش

اسمارٹ شہروں کی منصوبہ بندی

ابتدا کہاں سے ہو؟

حکومت کے نئے ترقیاتی منصوبوں میں اسمارٹ سٹیز کا بھی ایک منصوبہ ہے۔ جولائی 2014 کے بجٹ میں وزیر مالیات نے 7060 کروڑ روپے 100 اسمارٹ شہروں کے لئے مختص کیے ہیں۔ وزیر مالیات نے بتایا کہ ترقی کا نظریہ 100 اسمارٹ سٹیز سیٹلائٹ ٹاؤن کے طور پر کرنا ہے جو موجودہ وسط درجہ کے شہروں میں ہیں۔

اگر بجٹ اور وقت کا درست استعمال کیا جائے تو کسی بھی ذرائع کے صحیح استعمال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسمارٹ سٹیز کے انوسٹمنٹ میں حساب صاف نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی ہے۔ تاریخ میں مزید جانے سے پہلے یہ بات واضح رہے کہ پوری دنیا میں اسمارٹ سٹیز بننے کے باوجود اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ حقیقت میں اس سے متعلق بہت سارے اصول ہیں جس میں تخلیق، سائبر ڈیجٹیل، عقل علم وغیرہ شامل ہیں۔ معلومات و مواصلات کی ٹکنالوجی کی قوت کو بڑھانے کے لئے ان میں سے ہر ایک کے لئے باہمی روابط ضروری ہیں۔ ملینیم ڈیولپمنٹ گول (ایم ڈی جی) میں انفارمیشن (آئی سی ٹی) کی ترقی کے لئے استعمال کرنے کا طریقہ واضح ہے۔ آٹھویں ایم ڈی جی میں حقیقتاً ترقی کا راستہ پرائیویٹ سیکٹر سے ملتا ہے جس سے نئی ٹکنالوجی خاص طور پر مواصلاتی ٹکنالوجی کا فائدہ اٹھایا جاسکے۔ حکومت ہند کی تخمینہ کاری کے مطابق ملک اس مقصد میں کامیاب ہے۔

اسمارٹ سٹیز کی توضیح کرنا بلاشبہ قابل بحث ہے پھر بھی اس کی کچھ خصوصیات ہیں۔ گجرات انٹرنیشنل فن ٹیک سٹی کی طرح سمجھنے میں آسان ہے۔ اصل کام یہ ملک کے سب باشندوں کے لئے اسمارٹ سٹی بنانا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ غریب ہے یا امیر۔ ہندوستان جیسے ملک کے لئے عوام پر مرکوز سٹی ہی مناسب رہیں گی۔ بلاشبہ ایسے شہروں کی تعمیر کرنا ہے جو عوام کے لئے فائدہ مند ہوں۔ یہ مضمون اسمارٹ سٹیز کی وضاحت کے بجائے اس کے لئے ایک روڈ میپ کا کام کرے گا۔ اسمارٹ سٹیز کا یہ اصول مقصد کے بجائے ایک عمل ہے، اس اسمارٹ سٹی ای گورن ہونی چاہئے جس کا مقصد انتظام کو مسلسل ترقی اور اس کے منصوبہ میں کلائمیٹ اور ریئڈ ڈیولپمنٹ اور ماس ٹرانزٹ اور ریئنٹڈ ڈیولپمنٹ جو دھان کے رہنے والوں کے لئے سودمند ہو۔ شروع میں اسمارٹ سٹی کو وہاں کے لوگوں کو ٹکنیکی بنیاد پر ترقی اور لوگوں کو ڈیولپ کرنے کی ضرورت ہوگی۔ ترقی اور (آئی سی ٹی) کی قوت کو بڑھانے کے لئے انتظام میں سدھار ہندوستان میں نیا کام نہیں ہے۔ آڈیا اسمارٹ سٹی پہلے سے موجود ہے۔ انڈیا نیشنل ای گورننس کا یہ خواب ہے کہ حکومت سبھی خدمات ایک عام آدمی اس کے اپنے علاقہ میں مہیا کرائے۔ اس میں سارے کام عام آدمی کی ضرورت کے مطابق ہو اور مناسب قیمت پر لیاقت اور شفافیت اور اعتماد کے ساتھ کیا جائے۔

اس پلان میں 4041 اسٹیچوری ٹاؤن، 3894 سنس ٹاؤن، 475 اربن ایگلومیریشن، 981 آؤٹ گروتھ اور 238,617 گرام پنچایتیں جن پر 640867 گاؤں کی ذمہ داری ہوگی۔ وہ یہ پکاریں گے کہ ہر ایک انتظامی اکائی ای گورن ہوگی۔ اس کو حاصل کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہر ایک قصبہ/گاؤں میں

ایس چندرا شیکھر اندرا گاندھی انسٹی ٹیوٹ آف ڈیولپمنٹ ریسرچ ممبئی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ نہاریکا وینکٹیش آئی جی آئی ڈی آر میں محقق ہیں۔

انٹرنیٹ کنکشن ہو جب کہ بجٹ میں ڈیجیٹل انڈیا کے لئے 500 کروڑ مختص ہیں۔ آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ای گورن پہلا قدم ہے جو اسمارٹ سٹیز کے مقصد کے حصول کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

جب سے پورے ملک میں ای گورنس لاگو ہوا ہے، تبھی سے 100 اسمارٹ سٹیز کے علاوہ ہر ایک کو اسمارٹ بنانا آسان ہوگیا ہے۔ شروع میں 10000 باشندوں والے 4862 قصبات کو اسمارٹ گاؤں بنایا گیا۔ اس میں ہندوستان کی 8.6 فی صد دیہی آبادی شامل ہے۔ شہروں کے قرب وجوار والے گاؤں جس کی آبادی 5000 سے 9999 کے درمیان ہے۔ حکومت اب ان پر کام کرے گی۔ انڈیا کی 13.2 فی صد دیہاتی آبادی کو کور کرے گی۔ اس ترکیب سے گاؤں کی وہ تعداد جو قصبوں کے قریب ہے، وہ شہری ہوجائے گی۔ یہ آگے کی منصوبہ بندی کے لئے ایک اچھا قدم ہے۔

ان گاؤں کو اسمارٹ بنانے کے لئے حکومت کے ظاہری تناسب اور خدمات کو منسٹر آف رورل ڈیولپمنٹ (ایم آر ڈی) کے ای پنچایت پروجیکٹ کے تحت لانا چاہئے۔ یہ پروجیکٹ پنچایت کے سبھی پہلوؤں جیسے تعمیل، دیکھ ریکھ، بجٹ، حساب وکتاب کی جانچ پڑتال اور باشندوں کے سرٹی فیکیٹ اور لائسنس پہنچانے وغیرہ کی خدمات پر دھیان دے گا۔ ای پنچایت پروجیکٹ کا استعمال اسمارٹ شہر کاری پر کیا جائے گا۔ مرکزی حکومت ایم ہیلتھ اینڈ ای لرننگ کو ترقی دینے کے لئے (آئی سی ٹی) میں ایڈوانس استعمال کا سوال کیا۔ یہ ابتدائی کارروائی گاؤں میں استعمال کی جائے گی۔ یہاں پر بھی بہت خاص پروجیکٹس جیسے دہلی ممبئی انڈسٹریل کوریڈور پر کام ہورہا ہے۔

بہت ابتدائی کاموں میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ایک دہائی مکان اور فیوچر ٹاؤن پر کام ہو۔ یہ مستقبل میں شہر کاری کے لئے ایک منصوبہ بندی ہے جس کا مقصد آگے بڑھنے کے کام کرتا ہے نہ کہ شہروں میں نامناسب طریقہ سے۔ آج حکومت کے زیادہ تر طریقہ کارریکٹو ہونے کے بجائے پرڈاکٹو ہیں۔

ستمبر 2011 میں انڈیا کے نائب صدر جمہوریہ نے یوسف مہرالی میموریل سنٹر میں خدمات اور شہری انتظامات کے بارے میں بتایا۔ اس سلسلے میں انہوں نے دو باتوں کو صاف طور پر واضح کیا۔ پیسہ لگانے کا پیمانہ اور پروجیکٹس کا چناؤ سیاسی جھگڑوں اور معاشی دباؤ میں موضوع بحث رہا ہے۔ جب کہ کچھ تنقید نگاروں نے ہمارے شہری علاقوں اور شہری باشندوں کے اسے ایلائٹ کلچر بنایا۔ جب کہ دوسرے فریاد کرتے ہیں کہ شہر کاری سے سوشل گروپ کا فائدہ اور دوسروں کا نقصان ہورہا ہے۔ ساری سہولیات چھوٹے اور درمیانی قصبات کو چھوڑ کر بڑے شہروں کو دی جارہی ہے۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہمارے شہری علاقہ اور حکومتی نظام سیاسی جھگڑوں اور معاشی جدو جہد کی نظر ہورہا ہے۔ ہمارے شہری علاقوں کا استحصال سدھار کے کاموں میں ہورہا ہے۔ کچھ بلدیاتی خدمات کا پرائیویٹائزیشن ہورہا ہے جس میں پبلک پرائیویٹ پارٹنرشپ (پی پی پی) جس میں حکومت صرف ریگولیٹر کے طور پر کام کرتی ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ اس سے معاشی اور معاشرتی فرق کو کوئی ضرورت دی جاسکتی ہے۔ حکومت کو یہ پتا لگانا پڑے گا کہ تمام خدمات شہر کے سبھی لوگوں کو پہنچ رہی ہے۔ حکومت کو نہ صرف ضروری خدمات کی طرف دھیان دینے کی ضرورت ہے بلکہ مستقبل میں بڑھتی ہوئی آبادی کو بھی دھیان میں رکھنا ہے۔ حقیقتاً شہروں کی ترقی کا منصوبہ جواہر لعل نہرو اربن رینوول مشن کو بھی شہروں کی مستقبل میں بڑھی ہوئی آبادی کا صحیح اندازہ نہیں ہے جس سے ہم اسمارٹ مکان کے بارے میں ایک نئے مقام پر پہنچتے ہیں اور جو ماحول کو بنانے میں اور بیسک خدمات کو پورا کرنے میں مددگار ہو۔

ہندوستان کی 2011 کی مردم شماری کے مطابق 1375 ملین لوگ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں جس کا مطلب انڈیا کی 17 فی صد لوگ جھگی جیسے حالات میں رہتے ہیں۔ شہری حالات کا اندازہ لگانے پر یہ فی صد اور بڑھ جائے گا۔ 2011 میں 4041 اسٹیچوری ٹاؤن کے 63 فی صد لوگوں کے پاس جھونپڑیاں تھیں اسمارٹ ٹاؤن یا سٹی کا خیال سبھی لوگوں کا تھا۔ یہ خلاف دستور طریقہ کار اور بے موقع لگنے لگا۔ انڈیا کے 26 فی صد شہری خراب ایندھن جیسے لکڑی، اوپلے، کوئلہ وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں جو کہ اچھی چیز نہیں۔ خراب ایندھن سے فضا میں آلودگی پھیلتی ہے۔ کوئی شہری یا قصبہ کو اسمارٹ بنانے کے لئے اس کی بنیادی چیزوں کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ یہ جب ہی ممکن ہے جب ٹکنالوجی سے رقم کے خرد برد پر روک لگے اور سبھی قیمتوں میں آسانی پیدا کی جائے۔ انڈیا کے شہری علاقوں میں پانی صفائی اور دوسری اشیائے ضروریہ کے سدھار کے لئے سوچ کو بدلنا ہوگا۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ بلدیاتی خدمات میں کیسے سدھار لایا جائے۔

فیصلہ بدلنے میں انڈیا کے کچھ مختلف شہروں کے مختلف ڈاٹا صحیح نہیں ہیں۔ اسی الگورتھم ترقیاتی ملکوں میں زیادہ معقول ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اچھا فیصلہ لینے کی قوت اور باشندوں کو مضبوط بنانا غیر معقول ہے۔ کچھ ایسنٹ حکومتوں نے جیسے چھتیس گڑھ میں پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم میں سدھار لاکر مواصلاتی نظام میں ترقی کی ہے۔ رائیو میں کسی بھی شخص کو انفرادی طور پر یہ راشن کو دکان کھولنے کی اجازت ہے جس سے بڑے لین دین وغیرہ کے مقابلہ میں چھوٹے مقدار میں خریدنا سستا اور آسان ہے۔ اس سے سب لوگوں کو راحت ہوئی۔ اگر پورے ہندوستان میں رائیور کے طریقہ پر کام کیا جائے تو اس سے پبلک ڈسٹری بیوشن سسٹم میں بہت سدھار ہوگا۔ ایک منطقی توسیع انٹراسٹیٹ کی درمیان مائگرنٹ اور نان مائگرنٹ ورکرس کے کارڈس کی پورٹیبلٹی کی اجازت ہوگی۔

اگر اس طرف نظر ڈالی جائے تو دوسری بہت سی اشیا بھی سامنے آئیں گی۔ اس چیز کو پائیدار اور توسیع پذیر بنایا جائے تاکہ ساری آبادی کو کور کیا جاسکے اور اس طرح ایک غیر اسمارٹ اور ڈائی فنکشنل سٹی کو بھی اسمارٹ موثر اور پرڈاکٹو بنایا جاسکے۔

☆☆☆

ایچ ایس سین/دیپانکر گھورائی

ہندوستان اور بنگلہ دیش میں نچلی زمین میں پائیدار ماحولیات کے لئے

دریائے گنگا میں ماحولیاتی آبی بہاؤ

"کہیں بھی ساحلی پڑوسی ملکوں کے درمیان تعاون کا مسئلہ اتنا نازک نہیں ہے جتنا کہ جنوبی ایشیا میں دریائے گنگا اور برہم پتر کے طاس کے سلسلے میں ہے۔ کہیں بھی تعاون کے فوائد متعلقہ ملکوں کے مستقبل کے لئے اتنے قابل دید نہیں ہیں نیز کہیں بھی عدم تعاون کی سزا اتنی تباہ کن نہیں ہے"۔

۔جگن مہتہ

ہندوستان اور بنگلہ دیش میں دریائے گنگا کی پوری نچلی زمین ہگلی- بھاگیرتھی اور گنگا/پدما- برہم پتر دونوں کے دریائی نظاموں کا ماحولیاتی بہاؤ تیزی سے خراب ہوتا جارہا ہے۔ اس برصغیر کی زمین میں پائیدار ماحولیات کو یقینی بنانے کے لئے دریائی نظام کے ماحولیاتی بہاؤ کو بحال کرنے کی غرض سے ایک کلی انداز میں قریبی مشاہدہ کرنے اور مناسب کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔ جلد سے جلد ممکنہ طور سے ماحولیاتی بہاؤ کے سب سے اہم جزو سمجھے جانے والے پانی کے ناموافق رجحان کی

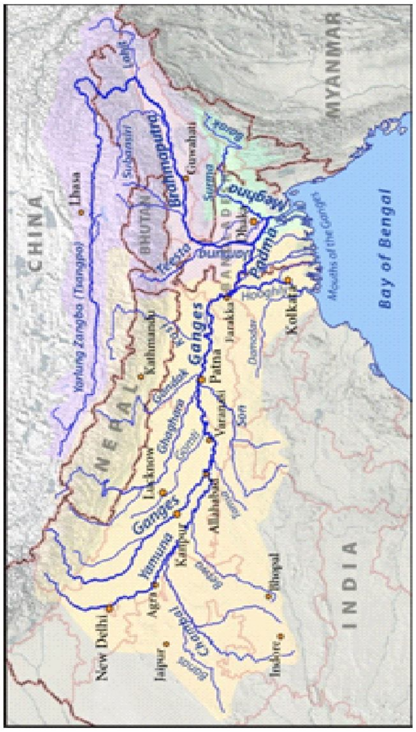

روک تھام کرنے کی غرض سے دریائے گنگا کا احیا کرنے کے لئے نیز مناسب عرصے میں پائیدار ماحولیات کے لئے اور اس کی بدولت بہتر روزی روٹی کے لئے اس کو پلٹنے کے سلسلے میں مناسب مداخلتیں کرنے کی ضرورت ہے۔ ماحولیاتی بہاؤ کے دیگر اہم جزو سماجی و ثقافتی، ارضیاتی، آبی معیار اور حیاتیاتی گونا گونی ہو سکتے ہیں جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس خطے میں اس کے استعمال کے لحاظ سے متعلقہ دریا کو کیسے دیکھا جاتا ہے جس کو ملا کر حکومت ہند کے مرکزی آبی کمیشن کے ذریعے تشکیل کردہ آبی وسائل کا مربوط فروغ اور انتظام تشکیل پاتا ہے۔ ہندوستان میں خاص طور سے دریائے گنگا کے اوپر بہاؤ میں ماحولیاتی بہاؤ زیادہ تر پن بجلی کی تیاری اور آب پاشی کے پروجیکٹوں سے بنتا ہے۔ بہاؤ کی شرح کے لحاظ سے پانی کی مقدار نکالنے کے سلسلے میں معیارات اب تک منصوبہ بندی کے عمل کے دوران نیز اس کے اثرات کے ٹھوس جائزے کے اہتمام کے بغیر من مانے طور سے طے کئے گئے ہیں، حالاں کہ اس طرح کے جائزے کے لئے تھوڑے عرصے پہلے کچھ کوششیں کی گئی ہیں جن میں سے وہ قابل ذکر ڈبلیو ڈبلیو ایف۔ انڈیا کی کوششیں ہیں۔ دریائے گنگا کے مختلف استعمالات کا تفصیلی جائزہ جامع طور سے لیا گیا ہے جس میں ڈبلیو ڈبلیو ایف۔ انٹرنیشنل، گلینڈ، سوئٹزرلینڈ کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ پانی نکالنے اور پانی کی آلودگی کی وجہ سے دریائے گنگا کو دنیا کے خطرے سے دوچار دس سرفہرست دریاؤں میں سے ایک دریا کہا گیا ہے، لہٰذا مغربی بنگال میں فراکہ باندھ پہنچنے سے پہلے متعدد ریاستوں سے ہو کر گزرنے والے پانی کے اوپری بہاؤ کی تمام تر ساجھے داری کے سلسلے میں ہندوستان کا کردار اس مضمون میں توجہ کا مرکز ہوتے ہوئے جنوبی بنگال (ہندوستان) اور بنگلہ دیش کے ایک بڑے حصے پر سرکاری اور نجی دونوں شعبوں میں مبینہ غلطیوں کے اثر کا مطالبہ کرنے کے سلسلے میں اہم ہے۔ اس کے لئے باہمی معاہدوں کے ذریعہ دونوں ملکوں

مضمون نگار بالترتیب مغربی بنگال کے علاقے براک پور میں واقع پٹ سن اور متعلقہ ریشوں کے مرکزی تحقیقی ادارے کے سابق ڈائریکٹر ہیں اور مغربی بنگال کے علاقے بردوان میں واقع کرشی وگیان کیندر (پٹ سن اور متعلقہ ریشوں کے مرکزی تحقیقی ادارہ) سے وابستہ ہیں۔

کی حکومتوں کی طرف سے شروع کئے جانے والے ایک کلی منصوبے کی ضرورت ہے۔

فراکہ باندھ اور ہند۔بنگلہ دیش معاہدہ

مغربی بنگال میں دریائے گنگا پر ایک باندھ تعمیر کرنے اور بھاگیرتھی کی طرف پانی منتقل کرنے کی تجویز سب سے پہلے 1853 میں سر آرتھر کوٹن نے پیش کی تھی اور اس کا نام فراکہ رکھا گیا تھا۔ اس باندھ کے حق میں تیار کردہ پانی کے حساب سے مفروضہ گاد کم کرنے یا کولکاتا بندرگاہ کے لئے جہاز رانی کے امکان میں اضافہ کرنے یا باہمی مفاد کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان خشک سیزن میں پانی کے بہاؤ کی ساجھے داری کرنے کے لئے کوئی مثبت اثر لانے کے سلسلے میں آگے چل کر بہت ناکافی ثابت ہوا تھا جو کہ اس کا خاص مقصد تھا جس کے لئے یہ تشکیل دیا گیا تھا۔ 1971 میں بنگلہ دیش کی آزادی کے فوراً بعد ملک میں پدما۔ برہم پتر۔میگھنا دریائی نظام سے پانی کے کم بہاؤ کی وجہ سے پیدا ہوئے مسئلے کو سمجھتے ہوئے دونوں ملکوں کے درمیان کچھ مختصر مدتی معاہدے کئے گئے تھے' پہلا 1974 میں تین سال کے لئے' اس کے بعد 1977 میں اور 1980 کی دہائی میں دو اور معاہدے۔ یہ سب معاہدے کے بے نتیجے رہے تھے۔ دریائے گنگا کے پانی کے ساجھے داری کے بارے میں ہند۔بنگلہ دیش معاہدہ جو 30 سال کے لئے لاگو ہے' پہلے گزشتہ چار دہوں (1949 تا1988) کے دوران اس دریا کے اوسط اخراج پر مبنی تھا۔ گذشتہ دہوں میں پن بجلی اور آب پاشی کے پروجیکٹوں کی ایک طویل فہرست کے سبب اوپری بہاؤ میں دریائی پانی کی کافی اور مسلسل منتقلی کی وجہ سے 1977 میں حساب کردہ بہاؤ اور اس کے بعد فراکہ میں فی الواقع دستیاب بہاؤ کے درمیان بہت کم موزونیت تھی۔

پن بجلی کی تیاری اور آبپاشی کے پروجیکٹوں کی فہرست نیز پانی کا معیار

دریائے گنگا کے بھاگیرتھی اور الکنندہ طاسوں میں ان کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ پن بجلی اور آبپاشی کے پروجیکٹوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی دستاویز بندی کی جا چکی ہے۔ پہلے سے چالو کردہ پروجیکٹوں کی ایک بڑی تعداد کی تقسیم کے ساتھ ساتھ دریائے گنگا کے پانی کے بہاؤ کے بارے میں ایک لائن خاکہ تصویر ایک اور دو میں دکھایا گیا ہے۔ بہت سے اور پروجیکٹ اب بھی تیاری کے مرحلوں میں ہیں۔ الکنندہ اور بھاگیرتھی دریاؤں نیز ان کی معاون ندیوں (ٹیبل 1) کی متاثرہ لمبائی سے پتہ چلتا ہے کہ مثلاً خود اتراکھنڈ میں پن بجلی گھروں کے لئے دریائے گنگا کے پانی کے ذرائع کی وسیع مقدار کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ اوپری بہاؤ میں آلودگی کے مختلف مقامات اور غیر مقامات والے ذرائع کی بھی دستاویز بندی کی گئی ہے اور یہ کچھ حالات میں ماحولیاتی بہاؤ کے تعاون کرنے کے سلسلے میں زیادہ اہمیت کے حامل ہوسکتے ہیں۔ اس کی پوری لمبائی میں دریائے گنگا میں پانی کا خراب معیار تصویر تین اور چار میں دکھایا گیا ہے۔ اعداد وشمار سے مزید پتہ چلتا ہے کہ حکومت ہند کے ذریعہ کئے گئے مختلف اقدامات (1985 میں جی اے پی۔I' 1993 میں جی اے پی۔II' 1996 میں دریا کے تحفظ کا قومی منصوبہ) ملی جلی کامیابی کے حامل رہے ہیں نیز اس سلسلے میں مستقبل میں نشان دہی کردہ اور کہیں زیادہ واضح اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سب سے اوپر آب وہوا میں تبدیلی ایک زمانی پیمانے پر ماحولیاتی بہاؤ کے بارے میں تمام جزو کے ذریعے مظہری اور غیر معمولی اثر کی حامل ہے۔ یہ بات اب بخوبی مسلمہ ہے کہ دنیا بھر میں اور خاص طور سے ہندوکش ہمالیائی علاقے میں گلیشیئر (برف کی چٹانیں) عالمی حدت کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں اور سکڑتے جا رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر ان طاسوں کے لئے ان گلیشیئروں سے پہاڑوں کی مربوط ترقی وفروغ کے بین اقوامی مرکز (آئی سی آئی ایم او ڈی) کے کھٹمنڈو پر مبنی مطالعے کی بنیاد پر پانی کی پیشین گوئی کردہ بہاؤ میں اس صدی کے اختتام تک 25 تا50 فی صد تک کمی آ جائے گی۔

تاہم' دریا کے تحفظ سے متعلق قومی ڈائرکٹوریٹ کے مطابق (2009)' عمل اور دیکھ بھال کرنے کے مسائل کے باوجود دریا کے پانی کے معیار میں جی ای پی سے پہلے کی مدت میں قابل امتیاز بہتری (ڈی او اور بی ڈی او کے لحاظ سے) دیکھنے میں آئی ہے۔ اس کو نامیاتی آلودگی کے بوجھ میں متلازم اضافی کے ساتھ آلودگی میں ناقابل یقین اضافے کے پس منظر میں دیکھنا ہوگا۔ اس دریا کے پانی کے معیار میں اس وقت بہتری آنے کا امکان ہے' جب تمام جاری کام مکمل ہو جائیں گے اور پیدا کئے جا رہے تمام بے کار پانی کے مسئلے سے نمٹ لیا جائے گا۔ لیکن اس پورے حصے میں تین اہم پیمانوں یعنی ڈی او' بی او ڈی اور کولی فورس کی جی اے سی سے پہلے کے بعد کی اقدار کے موازنے سے اب بھی غیر اطمینان بخش نتائج کا پتہ چلتا ہے۔ نچلے بہاؤ میں پانی کے گھٹتے ہوئے بہاؤ اور پانی کے خراب ہوئے معیار کی وجہ سے بہت سے طریقوں سے مثلاً بانس کی فصل کی کٹائی کے بعد کے معاملے میں روزی روٹی پر شدت سے اثر پڑا ہے۔

پانی اور گاد کا بوجھ

پورے بنگلہ دیش میں 57 دریا اور ان کی معاون ندیاں ہیں اور ان میں سے 54 دریا اور معاون ندیاں ہندوستان سے ہوکر آتی ہیں اور صرف تین دریا اور معاون ندیاں میانمار سے آتی ہیں۔ ان میں سے دریائے گنگا سب سے زیادہ زور آور ہے۔ ہمارے ان پڑوسی ملکوں

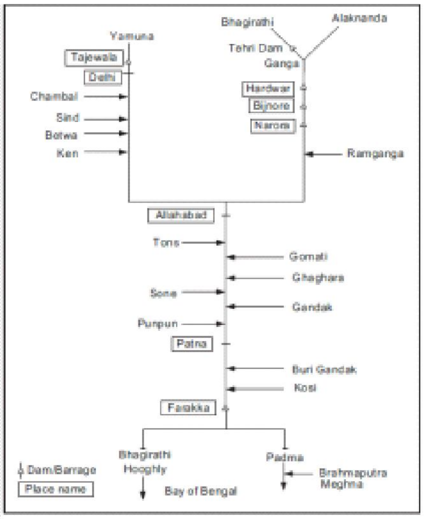

تصویر 1۔آبی انتظام کے ڈھانچوں کے ساتھ ساتھ اس کی معاون ندیوں کے ساتھ دریائے گنگا کا ایک لائن خاکہ (ماخذ: دریاں کے تحفظ سے متعلق قومی ڈائرکٹوریٹ (2009)

کے باشندوں کی پائیدار روزی روٹی کے لئے ماحولیاتی بہاؤ برقرار رکھنے کے سلسلے میں ہندوستان ایک بڑی ذمہ داری کا حامل ہے، جہاں پانی انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ فراکہ باندھ کی تعمیر کی وجہ سے ہندوستان میں دریائے گنگا کے نظام میں مداخلتیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے مسائل اور فوائد میں اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً پانی کی سطح، گاد کی نقل وحرکت، تہ وغیرہ میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں جو راج محل سے اوپری بہاؤ میں فراکہ تک اور فراکہ سے کافی دور نچلے بہاؤ تک نیز تہہ کی بہتریوں اور تنزلیوں کی وجہ سے آئی ہیں۔ سیلابی پنکھے باندھ کے دائیں طرف بنائے جاتے ہیں اور گہری نہر کو باندھ سے اوپر بائیں جانب منتقل کردیا جاتا ہے۔ کنارے کا کٹاؤ بدتر ہوگیا تھا نیز اگست اور ستمبر کے دوران معمولاً سب سے زیادہ تھا۔ بنگلہ دیش میں بھی گنگا۔ پدما کے گاد کے طریقے کے براہ راست اور غیر براہ راست اثرات تھے جن سے آخرکار دریا کی تہوں اور کناروں کی گاد اور کٹاؤ میں اضافہ ہوگا جس کی وجہ سے بالآخر نہر پر اثر پڑے گا اور دیگر تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

فراکہ اور راج محل (جھارکھنڈ میں 53 کلومیٹر اوپری بہاؤ) کے درمیان دریائی راستے کے ساتھ متعدد جگہوں پر دریائی راستے میں زمانی تبدیلیوں نیز پیمانوں میں نتیجتاً تبدیلیوں کی وجہ سے دریا کے کنارے اور سیلاب کے سلسلے میں ایک تفصیلی مطالعہ کیا گیا تھا جو اس حصے کے ساتھ لینڈ سیٹ اور انڈین ریموٹ سینسنگ سیٹلائٹ (آئی آر ایس) کی تصویروں سے 1955 سے 2005 تک کی مدت پر محیط تھا۔ یہ بتایا گیا تھا کہ کنارے کے کم ہوجانے کی وجہ سے زیادہ تر وجہ دریا کے کنارے کی مٹی کے طبق در طبق ہونے، سخت چٹانی علاقے کی موجودگی، گاد کے زیادہ بوجھ اور تہ سے کیچڑ وغیرہ نکالنے میں دشواری نیز قدرتی دریائی بہاؤ کے لئے ایک رکاوٹ کے طور پر خود فراکہ باندھ کی تعمیر تھی۔ اس کی وجہ سے زیادہ تر مالدہ ضلع کے مانک چک اور کالیا چک II، کالیہ چک III اور رتوا۔ I بلاک متاثر ہوئے ہیں نیز صرف ان بلاکوں میں اور ضلع مرشدآباد کے متعدد دیگر علاقوں میں 1977 سے تقریباً 1670 ہیکٹر زرعی زمین کا نقصان ہوا ہے جس کے نتیجے میں کنارے کے کٹاؤ زمین میں طغیانی اور نتیجتاً گاؤں سے آبادی کی نقل مکانی کے بکثرت واقعات رونما ہوئے ہیں جس کی وجہ سے سالانہ طور سے ایک رسم کے طور پر ہندوستانی حصے میں دولت اور خوش حالی کا زبردست نقصان ہوا ہے۔

بنگلہ دیش میں بھی گاد کی افراط نیز پانی کی نکاسی کے طاسوں میں نیز اس کے ساحلی علاقوں میں دریا کی نہروں کی تہوں میں اوپر کی مٹی ہٹانے کی بہت زیادہ شرح کے بارے میں رپورٹیں ملی ہیں جس کی وجہ سے اس ملک میں سیلاب کے بڑھتے ہوئے واقعات ہورہے ہیں۔

دریاؤں کے خشک ہوجانے کی قیمت پر ہندوستانی سندربنوں میں گاد سے اٹی دریائی تہوں کے ذریعے روڈویز کا اہتمام کرنے کے سلسلے میں انتظامیہ کی آسودہ

ٹیبل: 1۔ اتراکھنڈ میں پن بجلی کی تیاری کے تفویض کردہ پروجیکٹوں کی وجہ سے الکننداا اور بھاگیرتھی دریاؤں نیز ان کی معاون ندیوں کی متاثرہ لمبائیاں (ماخذ: وائلڈ لائف انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا 2012۔ دریا کے اوپر حصوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے)

نمبر شمار	دریا	دریا کا کل حصہ (ایم)	دریا کا تہ آب کردہ حصہ)ایم) (ایم)	دریا کا منتقل کردہ حصہ	متاثرہ لمبائی (ایم) کافی صد	دریا کی منتقل کردہ لمبائی فی صد	دریا کی تہ آب لمبائی کا فی صد	دریا کی متاثرہ لمبائی کا
	بھاگیرتھی طاس							
1	بھاگیرتھی	217000	68031	85400	153431	31	39	70.71
2	اسی گنگا	20500	10945	0	10945	53	0	53.39
3	بھیلانگانہ	109000	20369	19000	39369	19	17	36.12
4	بال گنگا	37000	14721	0	14721	40	0	39.79
5	چھوٹی معاون ندیاں	73000	16401	0	16401	22	0	22.47
	الکننده طاس							
6	الکننده	224000	60412	47100	107512	27	21	48.00
7	دھولی گنگا	50000	46794	0	46794	94	0	93.59
8	رشی گنگا	38500	10426	600	11026	27	2	28.64
9	براہی گنگا	29500	21926	0	21926	74	0	74.32
10	نندا کنی	44500	15507	0	15507	35	0	34.85
11	مندا کنی	81000	34875	500	35375	43	1	43.67
12	پندر	114000	24974	10000	34974	22	9	30.68

خاطری اس علاقے میں ماحولیات کو بدانتظامی سے نظرانداز کرنے والی ترقی کے لئے ایک تضاد ہے۔

حیاتیاتی گونا گونی کا نقصان

دونوں ملکوں میں خاص طور سے سندر بنوں کے پھیلاؤ میں نچلی زمین میں گذشتہ عرصے میں بہاؤ کی کم ہوتی ہوئی مقدار کی وجہ سے حیاتیاتی گونا گونی کی تبدیلی کے رجحان کے بارے میں اکثر سوالات کئے جاتے ہیں۔ اب ماحولیاتی نظام تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور جنگلات کی کچھ اقسام کے ختم ہوجانے کی وجہ سے حیاتیاتی گونا گونی تیزی سے ختم ہوتی جارہی ہیں۔ تاہم یہ اب بھی منفرد پودوں اور جانوروں کی مختلف اقسام کے لئے مثالی مسکن فراہم کرتی ہے۔

پوری زمین میں گذشتہ عرصے میں حیاتیاتی گونا گونی کے نقصان کے لئے متعدد عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اگر چہ مختلف عناصر کو مقدار کے لحاظ سے نقصان کا سبب قرار دینا ممکن نہیں ہے تاہم ان میں سے بیشتر عناصر کو انسانی عناصر کے ساتھ میل میں پانی کے کم کردہ بہاؤ کے ساتھ براہ راست طور سے اور غیر براہ راست طور سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

بنگلہ دیش میں پانی کا اخراج اور کھارے پن کا داخل ہونا:

ایک تنقیدی تجزیہ

فراکہ کے راستے پانی کی منتقلی کی وجہ سے بنگلہ دیش کے ماحولیات پر مختلف اجزا کے اثرات کے بارے میں اس ملک کے ذریعے تیار کردہ اور ظاہر کردہ زیادہ تر اعداد و شمار کے سلسلے میں ایسا لگتا ہے کہ ان کا زیادہ تخمینہ لگایا گیا ہے کیوں کہ وہ ہمیشہ ہی سائنسی تجزیوں پر مبنی نہیں ہوتے تھے۔ دوسری طرف فراکہ سے پانی کی نکاسی کی وجہ سے ہندوستان کا تخمینہ فراکہ سے پہلے کے دنوں میں رہے کچھ مفروضات پر مبنی تھا اور اس طرح ایسا لگتا ہے کہ ان تجزیوں کے بارے میں کم اندازہ لگایا گیا ہے۔

بنگلہ دیش میں دریائے گنگا کی متاثرہ نچلی زمین رقبے میں بہت بڑی ہے اور ممکنہ طور سے اس پر کافی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ 1970 سے 2011 تک کی مدت کے لئے دریائے گنگا سے پانی کے اخراج کے بارے میں اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ فراکہ باندھ کی تعمیر کے بعد خشک سیزن (نومبر تا مئی) میں پانی کے بہاؤ میں 82 فی صد تک کمی آئی ہے۔

مستقبل کے پالیسی امور اور اختتامی کلمات

ہندوستان (فراکہ کے جنوب) اور بنگلہ دیش (جنوب مغرب) دونوں میں دریائے گنگا کی نچلی زمین ایک سے ہی ماحولیات کی حال ہے نیز یہ ہندوستان میں

تصویر: 2 دریائے گنگا پر پن بجلی کے پروجیکٹ (ماخذ: باندھوں، دریاؤں اور لوگوں کے بارے میں جنوبی ایشیائی نیٹ ورک)

مختلف مقامات پر اوپری بہاؤ میں اس دریا کے پانی کے خراب ہوتے ہوئے معیار اور فراکہ باندھ کے راستے پانی کی کم ہوتی ہوئی منتقلی کی وجہ سے خطرات کا سامنا کر رہی ہے۔ یہ دونوں ملکوں کے لئے مشترکہ تشویش کا ایک معاملہ ہونے کی وجہ سے اس پر ایک کلی اور مرکوز توجہ دیئے جانے کی ضرورت ہے، جس کے لئے ایک دیرپا حل تلاش کرنے کی غرض سے فوری طور سے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جا رہی ہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ طویل مدتی تناظر میں دریائے گنگا کے پانی کے پیشین گوئی کردہ اوپری بہاؤ کو مدنظر رکھتے ہوئے دونوں ملکوں کے مفاد میں فراکہ باندھ کے ڈیزائن نیز پانی کے اخراج اور اس کی تقسیم کے معیارات پر نظر ثانی کرنے اور اگر ضروری ہے تو نئے معیارات طے کئے جانے کی ضرورت ہے۔

گنگا-برہم پتر کے ذریعے جو دونوں تبت سے شروع ہو رہی ہیں، پانی کے پیشین گوئی کردہ بہاؤ، گلیشیئروں کے پیچھے ہٹنے کی وجہ سے دریائی نظام اور آب وہوا میں تبدیلی کی وجہ سے دیگر مقداری غیر یقینی صورت حال کا مطالعہ کئے جانے کی ضرورت ہے نیز مختلف مدتی پیمانوں میں جتنی زیادہ صحت کے ساتھ ممکن ہو، فراکہ باندھ کے راستے پانی کی تقسیم کے لئے مستقبل کے معیارات طے کرنے کے سلسلے میں آب وہوا کے مناسب ماڈلوں سے ان کو بہتر بنائے جانے کی ضرورت ہے۔

☆ہندوستان میں پن بجلی اور آبپاشی کے پروجیکٹوں کی نئی تنصیب کی ضرورت پر اوپر بہاؤ میں دریا کے پانی کے اخراج کے لئے سخت معیارات نیز ایک لازمی ضرورت کے طور پر اثراتی تجزیے کے ساتھ انتہائی محتاط غور کیا جانا چاہئے تاکہ اس علاقے کے ماحولیات میں خلل واقع نہ ہو۔

☆اوپری بہاؤ میں پن بجلی اور آب پاشی کے گذشتہ پروجیکٹوں کا بھی جو پہلے سے چالو ہیں، پانی کے اخراج کے معیارات کے لحاظ سے جائزہ لیے جانے اور اگر ضروری ہے تو ان پر نظر ثانی کیے جانے کی بھی ضرورت ہے تاکہ اس علاقے کے ماحولیات میں خلل واقع نہ ہو۔

☆ہندوستان میں نجی ایجنسیوں کے ذریعے پانی کی غلط منتقلی کے اقدامات کو بغیر تاخیر روکنے کے لئے سخت انتظامی نگرانی کی جانی چاہئے۔

☆مختلف مدتی پیمانوں میں بہاؤ کی پوری لمبائی پر اہم جگہوں میں علاقے کے لئے مخصوص پانی کے فروغ اور انتظام کی مربوط اسکیمیں تیار کی جانی چاہئیں نیز مقامی باشندوں کی مناسب شرکت اور نگرانی کے ساتھ ان پر عمل درآمد کرنے کے طریقے وضع کئے جانے چاہئیں تاکہ ہندوستان میں سال بھر پانی کے مقرر کردہ معیار کو برقرار رکھنے کو یقینی بنایا جا سکے۔

☆خاص طور سے ہندوستان میں دریاؤں کے ذریعے اور کولکاتا بندرگاہ میں جہاز رانی، مٹی اور پانی کے کھارے پن، بہاؤ کی شرح، لہروں کی بہتات اور اتار چڑھاؤ، گاد اور پانی کے پیمانوں کے سلسلے میں نچلی زمین میں مختلف اہم مقامات پر پانی کے بہاؤ کے اثرات، زیر زمین پانی کی گہرائی اور معیارات، حیاتیاتی گوناگونی کے اہم جز وکوئی دیگر متعلقہ پیمانوں کا سائنس دانوں این جی اوز، سرکاری عہدیداروں، مقامی باشندوں پر مشتمل ایک مرکزی ٹاسک فورس کے ذریعے کم سے کم پانچ سالہ مرحلوں میں ایک کلی منصوبے کے ساتھ جائزہ لیا جانا چاہئے اور ان کی نگرانی کی جانی چاہئے نیز انہیں عوام کے سامنے پیش کیا جانا چاہئے۔

اسی طرح کے پروگرام ساتھ ہی ساتھ بنگلہ دیش کے ذریعے بنائے جانے چاہئیں اور شروع کئے جانے چاہئیں۔ دونوں ملکوں سے لئے گئے کلیدی اراکین پر مشتمل ایک اہم ٹیم کو سال میں ایک بار بات چیت کرنی چاہئے اور نگرانی کرنی چاہئے نیز مقررہ نشانوں کے سلسلے میں بہتری کی تجاویز پیش کرنی چاہئے۔

یہ بات یاد رکھی جانی چاہئے کہ دونوں ملکوں میں دریائے گنگا کی متعلقہ زمین زیادہ تر ساحلی ہے اور لہٰذا روک تھام کرنے کے لئے ممکنہ طور سے کسی کے بھی کنٹرول سے ماورا، موسمی آفات کی وجہ سے بڑھتی ہوئی لہروں کے پیش نظر نوعیت کے لحاظ سے کمزور ہے۔ دریائے گنگا کے پانی کے خراب ہوئے ماحولیاتی بہاؤ سے پیدا ہونے والے اضافی عناصر کی وجہ سے اس علاقے کے باشندوں کی مصیبتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اختتام میں ہم یہ یقین کرتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے اس علاقے میں باشندوں کی پائیدار روزی روٹی کے لئے ماحولیات کو بہتر بنانے کے سلسلے میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا مختصر راستہ نہیں ہوسکتا ہے کہ فراکہ باندھ کے ذریعے ماحولیاتی بہاؤ کو یقینی بنایا جائے جس کے لئے مذکورہ بالا تجاویز پر محتاط غور وخوض کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

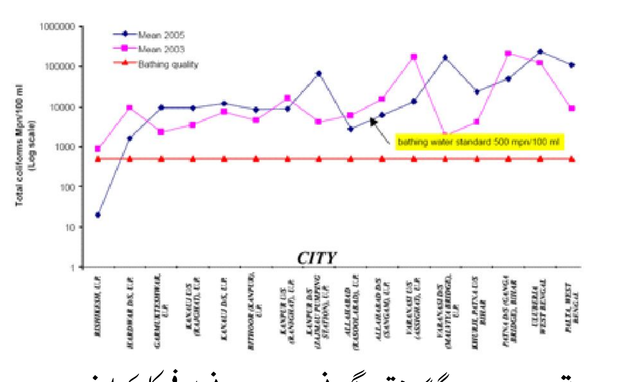

تصویر3: دریائے گنگا پر مختلف نگرانی مقامات پر پانی میں فیکل کولی فورس

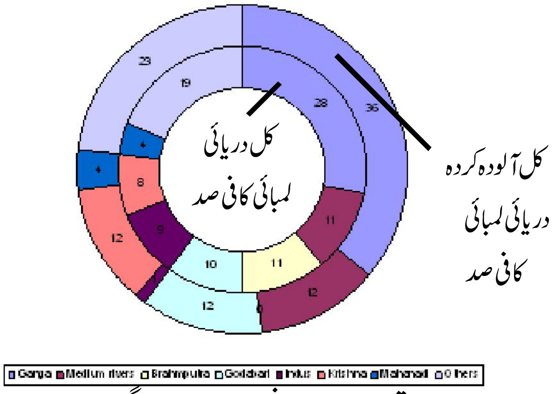

تصویر:4 ہندوستانی دریاؤں میں آلودگی

پروفیسر نریندر پانی

ہندوستانی شہروں میں دیہی مسائل اوران کاحل

ہندوستان میں پالیسی مباحثہ شہری اور دیہی کے درمیان واضح طور پر منقسم نظر آتا ہے۔ 1970 کی دہائی میں ہندوستانی پالیسی سازوں پر شہروں کی موافقت کرنے کاالزام عائد کیا گیا تھا (لپٹن 1977) ٹھیک اسی طرح ایک حالیہ مقالے میں ان پر دیہی علاقوں کے تئیں زیادہ ہمدردانہ رویہ اپنانے کا الزام لگایا گیا ہے (شیوارااما کرشنن 2011)۔ لیکن اگر ہم شہری اور دیہی کے درمیان حد فاصل کے متعلق عالمی سطح پر ہونے والے مباحثوں پرغور کریں تو یہ کہنا مشکل نہ ہوگا کہ اس طرح کی حدبندیوں کو پوری طرح درست نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ سسیکا ساسن کا خیال ہے کہ حدفاصل' وسیع معنوں میں' دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ''ایک وہ جو مصنوعات، افراد یا آلہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ ایک موبائل ایجنٹ اس طرح کے حد فاصل کی نمایاں مثال ہے۔ دوسری وہ ہے جس میں حدفاصل کے لئے مختلف مقامات ہوتے ہیں، خواہ وہ کمپنیوں کے اندر ہوں یا طویل بین قومی علاقے میں'' (ساسن 2006 صفحہ 416)۔ یہ دونوں طرح کے حدفاصل شہری اور دیہی علاقوں میں موجود ہوتے ہیں، جو تیزی سے ترقی کرتے شہروں میں زیادہ واضح ہیں۔ جو افراد اپنے گاوں سے گہرا تعلق رکھتے ہوئے شہری مراکز میں روزگار تلاش کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ شہری ماحول میں رہتے ہوئے بھی دیہی اخلاقیات کے عناصر پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں۔ دیہی اور شہری علاقوں کے درمیان حدفاصل کے کئی مقامات اس وقت بھی بن جاتے ہیں جب ہندوستانی شہریں افقی انداز میں پھیلتی ہیں۔ یہ جیسے جیسے بڑھتی ہیں گاوں کو اپنے اندر سموتی جاتی ہیں۔ شہری مراکز میں مدغم ہوجانے کے باوجود دیہی علاقوں کی روح اس میں دہائیوں تک برقرار رہتی ہے۔ اس طرح ہندوستانی شہروں میں دیہی خوبیاں گہرائی تک پیوست ہیں، اتنی زیادہ کہ ہم یہ دعوی نہیں کرسکتے کہ ہندوستانی شہروں کو ان کے اندر پنہاں دیہاتوں کے رول کے متعلق وضاحت کے بغیر سمجھا بھی جاسکتا ہے۔

ہندوستانی شہروں پر دیہاتوں کے اثرات کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو بالکل مختلف حدفاصل سامنے آتے ہیں۔ ایک وہ جو مستقل ہے اور شہر کے اندر مدغم کئے جانے والے گاوں اور اس کے اطراف کے شہری ترقیات حتی کہ اس کے اندر ترقیات کے درمیان پایا جاتا ہے اور دوسرا شہر اور گاوں کے درمیان حد فاصل سے تھوڑی دور واقع وہ حد فاصل جو افراد اور ان مصنوعات میں موجود ہوتا ہے جسے وہ اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

اگر ہم ان پر ذرا سا بھی غور کریں تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ شہری حالات دیہی علاقوں میں ہونے والے واقعات سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک موثر شہری پالیسی میں دیہاتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وضاحت کے لئے اس مقالہ میں ہندوستان کے صرف ایک شہر بنگلورو پر توجہ مرکوز کی گئی ہے۔

شہروں کے اندر گاوں

یہ توقع کرنا مناسب نہیں ہوگا کہ تمام ہندوستانی شہروں میں گاوں کے ادغام کی نوعیت یکساں ہوگی۔ شہروں کے اندر بھی یہ ایک دوسرے سے مختلف النوع ہوں گے جو گاوں انفارمیشن ٹکنالوجی پارک والے شہروں میں مدغم ہوں گے وہ ان گاوں سے مختلف ہوں گے جو مینوفیکچرنگ یونٹوں والے شہروں میں مدغم کئے جائیں گے۔ یہاں ایک مثال کا باریکی سے تجزیہ کرنا مناسب ہوگا تاکہ اس کے نتائج کی بنیاد پر دیگر حالات اور شہروں کا جائزہ لیا جاسکے۔ اپنی گارمنٹ ایکسپورٹ انڈسٹری کی ترقی کے پس منظر میں بنگلورو کے گاوں کا ادغام ان پہلووں کو سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا۔ بنگلورو میں بیشتر خاتون گارمنٹ ورکروں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے کام کے حالات اور انکے طرز زندگی میں نمایاں فرق ہے۔ بنگلورو کی گارمنٹ فیکٹریوں میں کام کرنے والی خواتین کے گھروں کی حالت ان مقامات کے بالکل برعکس ہیں جہاں وہ کام کرتی ہیں یا جو بنگلور

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز، بنگلور

کا عالمی امیج ہے۔نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایڈوانسڈ اسٹڈیز (این آئی اے ایس) بنگلورنے 2009 میں ایک سروے کیا تھا جس سے ان خواتین کو درپیش حالات کی عمومی تصویر سامنے آتی ہے۔جدول 1 سے ان خواتین ورکروں اور ان کے گھروں کی کہانی سامنے آتی ہے۔خواتین ورکر کی آمدنی انہیں خط افلاس سے اوپر تو رکھتی ہے لیکن بہت زیادہ نہیں۔خواتین ورکروں کے کنبوں کی اکثریت کے پاس رہنے کے لئے اپنا مکان نہیں ہے اور وہ کرائے کے مکان میں رہنے کے لئے مجبور ہیں۔صنعتوں کے فرسودگی کی اونچی شرح کے سبب ورکروں کو جلدی جلدی دوسری فیکٹریوں کا راستہ دیکھنا پڑتا ہے۔بنگلورو میں پبلک ٹرانسپورٹ کے زیادہ کرایوں کی وجہ سے بھی بیشتر ورکروں کو اپنے کام کے جگہ تک پیدل جانے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔یہ ورکر صرف ایسے مکان میں رہنے کے متحمل ہیں جن کی چھتیں معمولی ٹن کی ہوتی ہے، ان میں پانی کے لئے کوئی نل نہیں لگا ہوتا ہے اور ٹوائلٹ مشترک ہوتا ہے۔ان کے کمرے بھی اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان میں آرام سے سونا بھی مشکل ہوتا ہے۔ہر کمرے میں اوسطاً دو سے زیادہ افراد رہتے ہیں جب کہ 31 فیصد کمرو ں میں تین سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔

شہر کی بلند و بالا عمارتوں والے ریئل اسٹیٹ کے درمیان واقع نسبتاً کم لاگت والے ان مکانات کی موجودگی دراصل گاوں کو شہروں کے اندر مدغم کرنے کی بنگلورو کی غیر منظّم اقدامات کا نتیجہ ہے۔جیسا کہ 1970 اور 1980 کی دہائی میں زمین کو ایکوائر کرنے کے متعلق ایک سرکاری تجزیہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس صورت حال کو کم از کم دو قوانین کی وجہ سے تقویت ملی ۔ کرناٹک انڈسٹریل ایریا ڈیولپمنٹ ایکٹ 1966 اور بنگلور ڈیولپمنٹ اتھارٹی ایکٹ 1976۔ان قوانین نے اداروں کو زمین ایکوائر کرنے کے اختیارات دے دئے (رابندر 1989)۔کرناٹک انڈسٹریل ایریا ڈیولپمنٹ بورڈ کی تشکیل نے زرعی زمینوں کو ایکوائر کر کے اسے پرائیوٹ صنعتوں کے حوالے کر دینے کا کام اور بھی آسان کر دیا۔بنگلور ڈیولپمنٹ اتھارٹی نے رہائشی علاقوں کی تعمیر کے لئے جو زمین ایکوائر کئے اسے جتنی قیمت میں ایکوائر کئے گئے تھے اس سے بہت زیادہ قیمت میں پہلی مرتبہ فروخت کر دئے گئے اور جب انہیں دوسری مرتبہ فروخت کیا گیا تو اس سے بھی زیادہ قیمت وصول کی گئی۔زرعی زمینوں کے ٹیک اوور نے بنگلورو میں مدغم گاوں کے اقتصادی کردار کو اچانک بدل کر رکھ دیا۔زرعی سرگرمیاں اچانک سے رک گئیں۔

یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ ان گاوں کے ہر شخص کو یکساں چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔بے زمین لوگوں کی حالت زمین والوں سے یکسر مختلف تھی۔بے زمین ہو جانے والوں کو اپنے پیشے بھی تبدیل کرنے پڑ گئے اور زرعی مزدوروں کو نسبتاً زیادہ شہری نوعیت کے کام اپنانے پڑے۔اس کے ساتھ ہی انہیں اس طرح کا کوئی معاوضہ بھی نہیں ملا جو زمین کے مالکان کو ملا۔گولڈ مین اس سلسلے میں کہتے ہیں ''دیہی زندگی کو صرف دو زمروں زمین کے مالکان اور جو مالکان نہیں ہیں میں تقسیم کرنے اور شہری پروجیکٹوں کے لئے زمین ایکوائر کرنے کی صورت میں صرف زمین کے مالکان کو معاوضہ کا حقدار سمجھنے کی وجہ سے دیہی علاقوں کے سماجی اور ثقافتی مسائل میں مزید اضافہ ہو گیا'' (گولڈ مین 2011 صفحہ 568)۔

بنگلورو کے اطراف میں واقع گاوں کی زرعی نوعیت ایسی تھی کہ بیشتر مالکان چھوٹے درجہ کے تھے۔جن گاوں کو شہر میں مدغم کیا گیا ان میں اکثریت چھوٹے مالکان کی تھی جو اپنی زمینوں پر خود کھیتی کیا کرتے تھے۔اس لئے جب انکی زمینوں کو بنگلورو میں شامل کیا گیا تو وہ نہ صرف اچانک اپنی زمین سے محروم ہو گئے بلکہ انہیں غیر زرعی کام تلاش کرنے کے لئے بھی مجبور ہونا پڑا۔

بیشتر معاملات میں ان افراد کو، کبھی زمین کے مالک ہوا کرتے تھے، معاوضہ میں ملنے والی محدود رقم کو ابھرتی ہوئی شہری معیشت کی سرگرمیوں میں لگانے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔انہیں ڈرائیور بننے یا ڈیری کے اپنے روایتی کاروبار کو وسعت دینے کا متبادل ہی نظر آیا۔گاوں کے اندر جو غیر زرعی زمین بچی رہ گئی' گو کہ بہت ہی محدود تھی' لیکن وسائل کے اعتبار سے وہ بھی کافی اہم بن گئی۔ان زمینوں پر شہری قوانین اور ضابطوں کے بجائے گاوں سے متعلق ضابطوں اطلاق ہوتا تھا۔ان غیر زرعی زمینوں کے مالکان کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ ان پر مکانات تعمیر کر سکتے تھے' اس رعایت کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے غریبوں کے لئے سستے اور کھچا کھچ بھرے مکانات تعمیر کر دئے۔لیکن اس عمل میں ہمیشہ قانون کا خیال نہیں رکھا گیا۔جیسا کہ لکشمی سرینواس نے 1991 میں لکھا ہے'' بنگلور شہر میں تقریباً آدھی زمین کا کارپوریشن کے ٹیکس

جدول 1: بنگلورو گارمنٹ ایکسپورٹ انڈسٹری میں کام کرنے والی خواتین کی گھریلو حالات کا جائزہ	
کرایہ پر رہائش والے مکانات کا تناسب	87.5
شیٹ والے یا دیگر خراب میعار والے میٹریل سے بنے ہوئے چھت والے مکانات کا تناسب	64.8
کام کی جگہ سے دو کلومیٹر کے دائرہ کے اندر رہائشی مکانات کا تناسب	78.2
ایک کمرے (بشمول کچن) میں دو یا زیادہ افراد والے مکانات کا تناسب	81.5
ایک کمرے (بشمول کچن) میں تین یا اس سے زیادہ افراد والے مکانات کا تناسب	31.4
بغیر ٹوائلٹ والے مکانات کا تناسب	76.1
بغیر پانی کی سہولت والے مکانات کا تناسب	73.0
ذریعہ: این آئی اے سروے آف گارمنٹ ورکرس 2009	
تمام اعداد و شمار فیصد میں	

ریکارڈ میں ذکر نہیں ہے'' (سری نواس 1991۔صفحہ 2484)۔

گاؤں کو شہری بنگلور کا حصہ بنانے کیلئے تبدیلی کے اس پیچیدہ عمل میں اس تبدیلی کے باوجود بھی دیہی اثرات کو ختم کرنا بالعموم مشکل ہے۔ یہ گاؤں میں زمین کے مالکان کا وہ پرانا گروپ ہے جن کے پاس زمین ہے اور وہ پرائیوٹ کمپنیوں کے وجود میں آنے سے فائدے میں رہتے ہیں۔یہی گروپ غریبوں کیلئے سستے مکانات تعمیر کر کے فائدے میں رہتا ہے۔اس کے لئے اجازت لینے کی ضرورت' یا اجازت کی عدم موجودگی میں افسران کے ذریعہ دوسرا طریقہ کار اپنانے وغیرہ کی صورت میں بھی ان گروپ کا ابھرتے ہوئے سیاسی طبقہ کے ساتھ قریبی تعلقات قائم ہو جاتا ہے۔

شہر کے باہر گاؤں

مصنوعات اور افراد کے معاملے میں جب دور افتادہ گاؤں اور شہروں کے درمیان حد فاصل کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ کئی شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔بعض اوقات خاتون ورکروں کو گاؤں میں خاندانی زمین میں پیدا ہونے والے اناج میں سے شوہر کا حصہ ملتا رہتا ہے۔ خاتون ورکر جو لباس پہنتی ہیں وہ بھی ان کی دیہی اور شہری شناخت سے مل کر بننے والی نئی صورت کا مظہر ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر نائٹ گاون۔ جسے وہ شہر میں دن کے اوقات میں بھی طویل وقفے تک پہنے رہتی ہیں حالانکہ وہ اسے دیہی ماحول میں اس طرح استعمال نہیں کر سکتی ہیں۔کسی بھی فرد پر گاؤں میں شہری اثرات یا شہر میں دیہی اثرات کی نوعیت اس بات پر منحصر کرتی ہے اس کا ان سے کس حد تک رابطہ ہوا ہے۔یہ دلیل دی جاتی ہیکہ شہری مکین گاؤں سے شہر کی طرف نقل مکانی کے لئے ابتدائی بنیادی رول ادا کر سکتے ہیں۔ان مکینوں میں بالعموم گاؤں سے آنے والے ایسے افراد شامل ہوتے ہیں جو شہر میں اپنا پاؤں جمانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔'اجتماعی مکینوں' کی اصطلاح کو ایسے مکینوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جن کے افراد ان کے اپنے کنبے کے نہیں ہوتے ہیں(پانی 2010)۔اور بنگلورو کے گارمنٹ انڈسٹری میں کام کرنے والی خواتین ورکروں میں سے 40 فیصد مکین اس اصطلاح پر پورا اترتی ہیں۔ان 'اجتماعی مکینوں' میں صرف شوہر یا بیوی کے قریبی خاندان سے تعلق رکھنے والے افراد مثلاً ان کے والد' والدہ، بھائی یا بہنیں ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ دور کے رشتہ دار اور بعض اوقات صرف ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق ان کے گاؤں سے ہوتا ہے۔

گوکہ ان اجتماعی مکینوں کا دیہی اور شہری تعلقات کی شدت پر اثر تو پڑتا ہی ہے لیکن اس نقل مکانی کی وجہ سے رشتوں پر بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔اس سلسلے میں گاؤں اور شہر کے سبب رشتوں پر پڑنے والے اثرات کو اس معاملے کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں شہر میں کام کرنے والی مائیں اپنے بچوں کو گاؤں میں ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ 2009 کے این آئی اے ایس سروے سے یہ انکشاف ہوا کہ بنگلورو کی گارمنٹ انڈسٹری میں کام کرنے والی ہر پانچ میں سے ایک ماں بلکہ 22.5 فیصد مائیں اپنے 15 برس یا اس سے کم عمر کے بچوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھتی ہیں' عام طور پر انہیں گاؤں میں ہی کسی کی نگرانی میں چھوڑ دیتی ہیں۔ایسی صورت میں خواتین ورکروں کو اکثر و بیشتر شہر اور گاؤں کے درمیان چکر لگانے پڑتے ہیں۔ درحقیقت ہم ماوں سے دور رہنے والے بچوں کو کسی ورکر کے لئے شہر او ردیہات کے درمیان تعلقات کی شدت اور گہرائی کے پیمانہ کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

اپنے بچوں کو گاؤں میں چھوڑ دینے کے ماووں کے اس عمل کو سمجھنے کی کوشش کے دوران کئی باتیں سامنے آئیں۔مختلف اسباب کی وجہ سے ماوں نے اپنے بچوں کو گاؤں میں چھوڑا تھا۔جدول 2 سے یہ بات زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔خاتون ورکر کی صرف مالی یا تعلیمی حالت ہی بچوں کو گاؤں میں چھوڑ دینے کی اصل کی وجہ نہیں ہوتی۔اس کے دوسرے اسباب بھی ہو سکتے ہیں۔

جدول 2: بنگلور کی گارمنٹ ایکسپورٹ انڈسٹری میں کام کرنے والی خواتین کے بچوں کی رہائش کو متاثر کرنے والے مختلف عناصر کا تجزیہ

عنصر	عنصر کا تناسب
ماں کی تعلیم	0.78605
ماں کی آمدنی	2.77847
مکان کی نوعیت	0.75084
پانی	0.94756
بچے کی عمر	9.90545
ماں کی عمر	5.44606
بنگلور میں کتنے برسوں سے مقیم ہے	23.84444
کام کی جگہ سے مسافت	4.14329
ٹوائلٹ	8.66739
مذہب	8.50309
ذات گروپ	5.01136
مادری زبان	6.72962

ذریعہ: این آئی اے ایس سروس آف گارمنٹ ورکرس، 2009

بچوں کو گاوں پر چھوڑنے کا فیصلہ کرنے میں جو عنصر سب سے زیادہ فیصلہ کن دکھائی دیتا ہے وہ ہے بچے اور ماں دونوں کی عمر۔ پانچ سال یا اس سے کم عمر کے 34 فیصد بچے اپنے ماوں کے ساتھ نہیں رہتے۔ گیارہ سے پندرہ برس کے عمر کے بچوں کے گروپ میں یہ تناسب گھٹ کر 14 فیصد ہوجاتی ہے۔ ماوں کے معاملے میں بھی ایسے مائیں جن کی عمر 20 برس یا اس سے کم تھی کے 40 فیصد بچے اپنی ماوں سے دور رہ رہے تھے۔ زیادہ عمر کی ماوں کے ساتھ یہ تناسب کم ہوتا گیا اور 40 سال سے زیادہ عمر کی ماوں کے معاملے میں یہ تناسب صرف چار فیصد تھا۔ اس رجحان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کم عمر کی ماوں کو گاوں میں رہنے والے ان کے کنبوں کی طرف سے بنگلورو میں شہری زندگی کی غیر یقینی صورت حال سے مقابلہ کرنے کے دوران مدد حاصل تھی۔

ان اعداد وشمار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض غیر یقینی صورت حال کی جڑیں دیہی سے شہری ماحول کی طرف آنے میں درپیش مشکلات میں تلاش کی جاسکتی ہیں۔ انہوں نے بنگلورو میں کتنے سال گذارے ہیں' اس کا واضح اثر بچوں کو گاوں میں چھوڑنے کے ان کے فیصلے پر دکھائی دیتا ہے۔ پچاس فیصد ایسے بچے، جن مائیں ایک سال سے کم عرصے سے بنگلورو میں رہتی تھیں' وہ اپنے ماوں کے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ لیکن جو مائیں پانچ برس سے زیادہ اور دس برس تک کے عرصے سے بنگلورو میں رہ رہی تھیں ان کے معاملے میں یہ تعداد گر کر 16 فیصد تک رہ گئی تھی۔ عورتیں جتنا زیادہ عرصے سے بنگلورو میں رہتی تھیں وہ اپنے بچوں کو گاوں میں چھوڑنے کی اتنی ہی کم ضرورت محسوس کرتی تھیں۔

بنگلورو میں روزمرہ کی زندگی میں درپیش مشکلات بچوں کو اپنے سے دور رکھنے کے خواتین کے فیصلے کا اطلاق ہر خاتون پر یکساں طور پر نہیں لاگو ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر گھر کے اندر پانی کے نل کا نہیں ہونا بچے کو اپنے ساتھ نہیں رکھنے کی واحد وجہ نہیں ہوسکتی ہے کیوں کہ اس طرح کے مشکل سے اسے اپنے گاوں میں بھی سامنا پیش آتا ہے۔ گاوں میں بھی گھر کے اندر پانی کی سہولیات کا فقدان ہوسکتا ہے۔ لیکن گھر کے احاطے کے اندر ٹوائلٹ کی سہولت بلاشبہ فیصلے کو متاثر کرتا ہے۔ اعداد وشمار سے واضح ہوا کہ گھر کے اندر ٹوائلٹ کی دستیابی یا عدم دستیابی بچے کو ماں سے دور رکھنے کے فیصلے پر واضح طور پر اثر انداز ہوا تھا۔ ایسا ممکن ہے کہ بچے کو رات میں ہنگامی اوقات میں مشترک ٹوائلٹ میں جانے کے لئے ساتھ میں کسی خاتون کی ضرورت' نے ماووں کو اپنے بچوں کو خود سے دور رکھنے کا فیصلہ لینے پر مجبور کیا ہو۔

ایسا نہیں ہے کہ گاوں کا خاندانی مکان کام کرنے والی تمام سماجی گروپ سے تعلق رکھنے والی خواتین ماوں کے لئے یکساں طور پر سپورٹ سسٹم ثابت ہوا ہو۔ ہندووں میں دیگر مذہبی گروپوں کے مقابلے یہ زیادہ بہتر دکھائی دیا۔ اور ہندووں میں بھی اسکی سطح الگ الگ رہی۔ یہ حقیقت کہ گاوں میں کم سہولت کے باوجود شیڈولڈ کاسٹ کے لوگوں نے بچوں کو اس وقت تک اپنے پاس رکھا جب تک کہ ان کی ماں شہر میں پوری طرح آباد نہیں ہوگئی' اس بات کی مثال ہے کہ دیہی ذات کا سلسلہ مراتب کس طرح شہری بنگلورو میں رہنے کے رجحان کو متاثر کرتا ہے۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ بنگلورو اور بالعموم ہندوستان کے بیشتر شہروں پر دیہات کے اثرات کثیر جہتی ہیں۔ یہ اثرات ان مقامات پر بھی پائے جاسکتے ہیں جو شہر کے جغرافیائی حدود کے اندر ہوں اور ان گاوں میں بھی جو کچھ دوری پر واقع ہوں۔ اس لئے ایک موثر شہری پالیسی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام مسائل کا حل تلاش کرے جو ہندوستانی شہروں کو متاثر کرتے ہوں خواہ یہ مسائل دور دراز دیہی علاقوں میں ہی کیوں نہ پیدا ہو رہے ہوں۔

☆☆☆

آفات کے خطرات کو کم کرنے کیلئے اسکیم کا آغاز

☆ مرکزی وزیر داخلہ جناب راجناتھ سنگھ نے وگیان بھون میں منعقدہ پروگرام میں ''آفات کے خطرات کو کم کرنے میں سول ڈیفنس کو اہم دھارے میں شامل کرنے کی پلان اسکیم'' کا آغاز کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے جناب راجناتھ سنگھ نے کہا کہ 12ویں پانچ سالہ منصوبے کے دوران سول ڈیفنس کیلئے 290 کروڑ روپئے فراہم کیے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس اسکیم کے تحت آنے والے دیہی اضلاع کی تعداد 100 سے بڑھا کر 240 اضلاع کردی جائے گی۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ سول ڈیفنس تنظیم لوگوں میں خود اعتمادی کا احساس پیدا کرتی ہے۔ جناب راجناتھ سنگھ نے سول ڈیفنس کو مستحکم کرنے اور اسے زیادہ مؤثر بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ سول ڈیفنس کے رضا کاروں کو سماج میں اپنا صحیح مقام اور احترام حاصل کرنے پر زور دیتے ہوئے وزیر داخلہ نے انہیں یقین دلایا کہ وہ سول ڈیفنس تنظیم کیلئے معقول فنڈ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ انہوں نے عہدیداروں پر زور دیا کہ وہ سول ڈیفنس کو سی بی ایس ای کے نصاب میں شامل کرنے کی تجویز تیار کریں۔ اس موقع پر داخلہ کے وزیر مملکت جناب کرن رججیو نے کہا کہ سول ڈیفنس قوم کیلئے ایک خدمت ہے اور ہمیں سول ڈیفنس کے نظریے کو بہتر اور مضبوط بنانا چاہئے۔ تقریب کے دوران جناب راجناتھ سنگھ نے سول ڈیفنس کے ایوارڈ بھی عطا کیے۔

☆☆☆

نیو ڈیولپمنٹ بینک

برکس (BRICS) ڈیولپمنٹ بینک یا نیو ڈیولپمنٹ (این ڈی بی) کئی مقاصد پر کام کرنے والا یہ بینک ہے جو پوری دنیا کے 5 خاص برازیل، رشیا، انڈیا، چائنا اور ساؤتھ افریقہ کے زیرنگرانی ہے۔ یہ نیا بینک عالمی معیشت میں ترقی کرنے والے ملکوں کو حیثیت دلانے کے لئے ان کی بنیادی پروجیکٹس میں مدد کرتا ہے۔ اس بینک کا سرمایہ یو ایس ڈی 50 کھرب ہے جو پانچ ملکوں میں برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ دس ارب ڈالر کی رقم کی سات سال تک نقد رکھا جاتا ہے اور 40 ارب ڈالر ضمانت کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ 2013 میں ان ممالک نے معاشی تنگی کے وقت 100 ڈالر کی حدود کے لئے ایک کنٹن جینسی ریزرو ایگری منٹ (سی آر اے) کا انتظام کیا جس سے ہنگامی صورت حال میں برکس ممالک کی فوری مدد کی جائے۔ یہ بینک 2016 میں چائنا (شنگھائی) ادھار معاوضہ دے گا۔ اس کی صدارت مساوات کے محور پر ہوگی۔ پہلے چھ سال ہندوستان صدارت کرے اور بعد میں 2021 تک 55 سال تک برازیل، رشیا اور چائنا کریں گے۔ بورڈ آف ڈائریکٹر کے صدر برازیل کے ہوں گے جب کہ بورڈ آف گورنس کے صدر رشیا کے ہوں گے جو بین اقوامی مالیاتی اداروں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف سے بالوقت مقابل ہوں گے۔ سی آر اے مالیاتی اداروں جیسے آئی ایم ایف کے قائم مقام ہوگی جو برکس کے ممالک اور دوسرے غریب ممالک کے لئے مصیبت کے وقت پرووائیڈر کا کام کریں گے۔

نیو ڈیولپمنٹ بینک غیر ترقی یافتہ ممالک کے لئے کام کرے گا۔ اس کی ممبرشپ برکس ممالک کے علاوہ دوسرے ممالک کو دی جائے گی۔ آج کے بین اقوامی معاشی صورت حال میں عالمی بینک کی سیادت کے لئے ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ برکس کے لوگ وال اسٹریٹ ڈومینس میں بازار کی ڈیوٹیز کو چیلنج کرنے کے ایک ایکس الائنس بنانے کی سوچ رہے ہیں اور انٹرکونٹنل ایکس چینج (آئی سی ای) کی نقل وحرکت کو دیکھنے کے لئے انرجی الائنس بنا رہے ہیں۔ یہ چار ادارے نیو ڈیولپمنٹ بینک کنٹن جنسی ریزرو انجمنٹ، برکس، ایکس چینج الائنس اور انرجی الائنس مل کر کام کریں گے تو بین اقوامی نظام میں ایک انقلاب لے آئیں گے۔

نیٹ نیوٹریلٹی ایک کولمبین لا پروفیسر کی ٹرم ہے۔ ٹیم ویو ایک اصول ہے جس کے تحت سارے انٹرنیٹ کے سبھی ڈاٹا کام کرتے ہیں، چاہے وہ کون ٹینٹ سورس اور ڈسٹنشن کوئی بھی ہو، انٹرنیٹ کے استعمال میں جمہوریت سب کے لئے وقت ہونا چاہئے جس سے ایک نئی روشنی مل سکے۔ انٹرنیٹ سروس پرووائڈر بتاتے ہیں کہ جو خدمات وہ دے رہے ہیں، اس کے لئے انہیں اس فیصلہ کی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ انٹرنیٹ کی خدمات کو اس طرح دیں اور کس چارج کریں یہ نیٹ نیوٹریلٹی ایک چیلنج ہے۔

آج انٹرنیٹ مہیا کرانے والے یا آئی ایس پی ایس کو اس مواد کی جو وہ مہیا کرا رہے ہیں، اس کی الگ قیمت کی اجازت نہیں ہے۔ استعمال کرنے والا اپنا من چاہا ڈاٹا ڈاؤن لوڈ کر سکتا ہے۔ اسی کشادگی کی وجہ سے بہت سالوں سے ہر طرف انٹرنیٹ گونج رہا ہے لیکن اب آئی ایس پی ایس کا کہنا ہے کہ وہ اب زیادہ مفت کرنے کے لئے زیادہ مفت کام کرنے کے لئے غیر جانب دار نہیں رہ سکتے۔ اس کا مطلب ہے کہ آئی ایس پی ایس انٹرنیٹ سرفنگ کرنے والوں کو زیادہ بڑھانے والے ہیں۔

پھر بھی نیٹ نیوٹریلٹی کا خیال ایک عالمی ہے اور بہت سے ممالک میں اس کے بہت خاص اصول میں مثال کے طور پر چلی وہ پہلا ملک تھا جس نے ایک آئی ایس پی ایس کو کسی بھی سینڈنگ رسیونگ اور انٹرنیٹ کے استعمال کو بلاک کیا ڈنمارک نے اپنے آئی پی ایس کو ویب سائٹ کو روکنے اور ہلکا کرنے پر روک لگائی ہے ایک آئی ایس پی ایس کو کسی بھی یوزر کے کمپیوٹر پر ڈاٹا سیٹ کرنے کے لئے اس کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حال ہی ہندوستان میں نیٹ نیوٹریلٹی کے لئے کوئی بھی ایسا قانون نہیں ہے حالاں کہ ٹی آر اے آئی نے یونیفائڈ ایکسس سروس کے لائنس دینے کے لئے لون ڈسگرمینیشن کے اصول کی حمایت کی ہے۔ لیکن اس کے نفاذ کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی ایکٹ کے پاس نیٹ نیوٹریلٹی کے سیف کارڈ کا کوئی پرویزیشن نہیں جو کسی آئی ایس پی کے تجارتی یا دوسرے مقاصد کے استعمال کو روک سکے۔

☆☆☆

نیلا بجا گھوش

سہولت معاہدہ:

ہندوستان کو تائید کیوں نہیں کرنی چاہئے؟

ہندوستان عالمی برادری کے درمیان بلاشبہ ایک ذمہ دار ملک کی حیثیت رکھتا ہے اور ڈبلیو ٹی او میں اس کی رکنیت اس کا بین ثبوت ہے۔ تاہم کسی بھی جمہوری حکومت کے لئے خارجی سطح پر کئے گئے معاہدوں اور داخلی فرائض کی انجام دہی میں توازن قائم کرنا اتنا آسان بھی نہیں ہوتا۔ چنوتیاں اور مشکل چیزوں کو پسند کرنا' عالم کاری سے وابستہ عام باتیں ہیں۔

ڈبلیو ٹی او یا عالمی تجارتی معاہدے کی دسمبر 2013 میں منعقد نویں کانفرنس کے انعقاد کے بعد بالی اعلانیہ سامنے آیا اور اس اعلانیہ کے تحت تجارتی سہولت معاہدہ وجود میں آیا۔ اس معاہدے میں خوراک کو تجارت کی ایک شئے کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور اب اس تجویز کو تائید درکار ہے۔ (ڈبلیو ٹی او ویب سائٹ)۔ ایک جانب خود ٹی ایف اے پر دستخط کرنے پر اتفاق کرنے کا تعلق خود ہی تجارت کے سلسلے میں شفافیت اور آسان ضوابط اختیار کرنے سے ہے اور ہندوستان کی لئے اس تجویز پر عمل کرنا ایسا کچھ مشکل عمل بھی نہیں ہے تاہم اب یہ تجویز حصولیابیوں کے لئے دی جانے والی ترغیبات پر قدغن عائد کرنے کے مزید حساس عہد سے وابستہ ہوگئی ہے جس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ ''روایتی اہم خوراک فصلوں'' کی ذخیرہ اندوزی پر برعکس طور پر اثر پڑے گا۔ خوراک سلامتی مقاصد کے تحت سرکاری طور پر کئے جانے والے ذخیرے کے لئے وزارت کی سطح پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس طرح کے ذخائر کی بات حال ہی میں (ستمبر 2013 کی حسب دستور منعقدہ میٹنگ) تھائی لینڈ اور انڈونیشیا کے سلسلے میں اٹھی تھی۔ اس تجویز کو خراب فصلوں والے برس میں درآمداتی ملک کے لئے خوراک کے معاملے میں نقصان دہ خیال کیا جا رہا ہے۔ یہ تجویز آئندہ برسوں میں ان ممالک کے کاشت کاروں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی کیوں کہ بعد میں یہی ذخائر نسبتاً سستے نرخوں پر فروخت ہوں گے۔ اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اس معاہدے پر دستخط کرنا ہندوستان کے لئے سیاسی طور پر بھی خاص مہنگا سودا ثابت ہوسکتا ہے۔

عقدۂ لاینحل یا ایک معمہ۔ خوراک پالیسی پر نظر ثانی کا وقت

جب ہندوستان نے ڈبلیو ٹی او میں شمولیت اختیار کی تھی' اس وقت زراعت سے متعلق وعدوں پر عمل کرنا ایسا کچھ دشوار نہیں نظر آتا تھا۔ امداد فراہم کرنے کا مجموعی قدم پہلے سے تخمینہ شدہ زیادہ سے زیادہ حدود کے اندر ہی تھی۔ ہندوستان کے توازن ادائیگی سے وابستہ مسائل اور تفریقی طور طریقوں کے معاملے میں رعایات دینے کی بات کہی گئی تھی۔ یہ رعایت ایک ترقی پذیر ملک کے طور پر دستیاب تھی اور تسلی اور تشفی کا باعث بھی۔ تاہم افق پر اناج کے ذخیرے سے متعلق تنازعہ کا خطرہ منڈلا رہا تھا۔

غیر تجارتی گرین باکس کو متاثر کرنے والی رعایت کو اے او اے کے ذریعہ غیر تجارتی گرین باکس کو متاثر کرنے والی رعایت کے تحت برداشت کیا جاسکتا تھا۔ تاہم اس باکس میں شامل دیگر اشیا کے برعکس اس ترغیباتی عمل کا تخمینہ آنے والے برسوں میں اسے ناقابل عمل اور غیر مفید بنا دے گا اور عوام سے حصولیابی مشکل ترین عمل ہوجائے گا۔ نام نہاد ترقی پذیر ممالک کے 33 جی گروپ کہلانے والے ممالک کی جانب سے ابھی حال ہی میں ایک تجویز یہ تھی کہ ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ ہونا چاہئے' تاہم یہی ارکان اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے معاملے میں متفقہ طور پر کوئی فیصلہ نہ کرسکے۔ غریب کاشت کاروں سے خریداری نہ کرنے کی تجویز ایسی ہے کہ اس کے ذریعے جی بی جی تعریف کا از سر نو تعین ممکن ہے۔ ایک جانب تمام اراکین کے ذریعہ خوراک سلامتی کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود کوئی حل نہیں نکالا جاسکا۔ ہندوستان کی خواہش ہے کہ ٹی ایف اے کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے یہاں تک کہ کوئی مستقل حل نکل آئے۔

ہندوستان افرادی قوت کا تقریباً نصف حصہ کاشت کاری میں مصروف ہے اور کاشت کئے جانے والے رقبے کا تقریباً 37 فی صد رقبے پر محض دو فصلیں یعنی گیہوں اور چاول پیدا کی جاتی ہیں۔ پالیسی کے لحاظ سے طے پانے والے موسم کے تحت یہی دو فصلیں بہتات سے اگائی جاتی ہیں۔ ہندوستان کی خوراک سلامتی کی پالیسی کئی دہائیوں سے اب عوام سے کی جانے والی وصولی پر منحصر ہے جس میں کاشت کار کو کم از کم امدادی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ تاہم اس طرح سے جمع کیا جانے والا اناج اکثر ضرورت سے تجاوز کر جاتا ہے اور اس کی تقسیم سرکاری نظام تقسیم کے ذریعہ عمل میں آتا ہے۔ ابھی حال ہی میں ہندوستان نے ایک خوراک سلامتی قانون بھی وضع کیا ہے جو لازمی طور پر

خوراک تک عام رسائی کی بات کرتا ہے۔

جب معاشی اصلاحات شروع ہوئی تھیں تو کم از کم امدادی قیمت (ایم ایس پی) اور سرکاری نظام تقسیم پر اندرون ملک خوب تنقید ہوئی ۔ یہ تنقید آئیڈیالوجی، سیاست اور بعض عملی پہلوؤں پر مبنی تھی تاہم ترمیم کے ذریعہ جو سدھار کیا گیا، اس سے کوئی مطمئن نہیں ہوا۔ حلقہ انتخاب کے غریب ووٹروں کی غربت اور خوراک کی عدم سلامتی سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایم ایس پی اور پی ڈی ایس ہندوستان کی خوراک پالیسی کی دوستون کے طور پر اپنی جگہ برقرار ہے۔ ٹی ایف اے کی مخالفت میں جو موقف اختیار کیا گیا، اس نے بات چیت کے عمل میں تعطل پیدا کردیا۔ تاہم اس کا جواز غریب افراد سے کئے گئے وعدوں اور گھریلو مانگوں میں مضمر ہے۔ ناکامیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سودے بازی، دیگر ممالک کی چالیں اور خوش فعلیاں، پالیسی سازی کی خودمختاری اور اس عمل میں بیرونی دخل اندازی کے تئیں ناپسندیدگی اور خارجی و داخلی تقاضوں میں توازن پیدا کرنے کے علاوہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم گزشتہ چار دہائیوں سے جس طرح کے لائحہ عمل کو شدومد سے اپنائے ہوئے ہیں، اس کی گھریلو افادیت پر سنجیدگی سے غوروفکر کریں۔

اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ان حکمت ہائے عملیوں کی گھریلو افادیت پر غوروخوض کیا جائے جن کی وجہ سے آج بہت سارے مسائل کا سامنا ہے اور ہندوستان کی اپنی خوراک سلامتی کے پس منظر میں کثیر سطحی تذبذب کی نوعیت واہمیت کا جائزہ لیا جائے۔

ہندوستان کے سخت موقف کے حق میں دلیلیں

ہندوستان کی خوراک پالیسی کی جڑیں آزادی کے فوراً بعد رونما ہونے والی خوراک کی قلت میں مضمر ہیں جس نے شہریوں میں خوراک کے تئیں شدید عدم تحفظ کا احساس پیدا کردیا تھا۔ اتفاق سے خوراک پالیسی ایسی نئی زرعی تکنالوجی کے شانہ بشانہ چلی جس کے تحت زیر تبصرہ دونوں فصلوں کی پیداوار کئی گنا بڑھ سکتی تھی، شرط یہ تھی کہ کاشت کاروں کو تکنالوجی میں سرمایہ کاری کے لئے ترغیبات دی جاسکیں۔ یہاں تک کہ آج ہندوستان کو ڈبلیوٹی او برادری کے اکثریتی طبقے کے ساتھ ہاتھ ملانے سے جو چیز مانع ہوتی ہے، وہ اس کی پہلی اور شاید واحد مجبوری وہی یعنی خوراک سلامتی ہے۔ ایک جانب وزیر تجارت سے غریب کاشت کاروں کو ''کچھ کم از کم فائدہ'' ملنے کی ضمانت دیگر کاشت کاروں کے مفاد کی حفاظت پر زور دیا ہے۔ تاہم اس کے دوررس اثرات ملک کی خوراک کی سلامتی اور غریب صارفین سے وابستہ ہیں۔ بہت بڑی تعداد میں صارفین شہری باشندے ہیں۔ یہ زبان بھی کھولتے ہیں اور میڈیا کی توجہ بھی حاصل کرتے ہیں۔ اس سنگین محرومی کو مدنظر رکھتے ہوئے خوراک سلامتی کو نظر انداز نہ کرپانا دراصل نہ صرف ووٹ حاصل کرنے کی مجبوری ہی نہیں بلکہ اقتصادی مجبوری بھی ہے۔ اس دلیل کو رد کرنے کے لئے کہنے کو بہت کم بچتا ہے۔ خوراک سلامتی کا مطلب محض قومی خوراک سلامتی ہی نہیں ہے۔ گھریلو اور افراد خانہ کی سطح پر بھی یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں قومی سطح پر اناج کی دستیابی ہونے کے باوجود خوراک کی عدم سلامتی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ (گھوش اور گوہا خاص نوبس 2008)۔ ایک وسیع ملک میں جہاں پیداوار کی نابرابر صلاحیتیں ہوں اور بڑی تعداد میں صارفین کی قوت خرید کمزور ہو، وہاں خوراک تک ہر کنبے کی رسائی آسان نہیں رہ جاتی ۔ بڑے پیمانے پر خوراک کی تقسیم کا انتظام کرنے کے لئے ریاستی سطح پر خاطر خواہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، تاہم اس کے باوجود اگر نجی شعبہ واجب منافع لے کر یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار ہو بھی جائے تو بھی کھلے بازار کی قیمتیں جس میں پیداوار، تقسیم اور قابل قبول منافع کے پہلو شامل ہوتے ہیں، ایسی قیمتیں سب کی قوت خرید کے لئے مناسب ثابت ہوں گی یہ کہہ پانا بہت مشکل ہے۔

گھریلو سطح پر موجود داخلی رکاوٹوں کو جو خوراک تک عام رسائی میں آڑے آتی ہے، انھیں تعلیم، بیداری، صفائی بیداری، صفائی ستھرائی اور بااختیار بناکر دور کیا جاسکتا ہے تاہم ریاست براہ راست طور پر عملی طور پر نشان زد طریقے سے خوراک تقسیم کا کام انجام دیتی آئی ہے۔ اکثر اس تقسیم میں دیگر مقاصد مثلاً مڈڈے میل اسکیم (ایم ڈی ایس ایم ایس) اطفال کی ترقی سے وابستہ مربوط خدمات (آئی سی ڈی ایس) اور اناپورنا جیسی اسکیمیں شامل رہی ہیں۔ نشان زد عوامی نظام تقسیم سمیت دیگر نشان زد پروگراموں کا مقصد بجٹی وزن کو کم کرنا اور غیر قانونی طریقے سے اپنا کر کی جانے والی خیانت کو قانونی طریقوں سے روکنے کے پیچھے اصل مقصد کمزور ترین فرد کو خوراک سلامتی کے ساتھ بجٹی وزن گھٹانا بھی ہے۔ بدعنوانی کے خاتمے اور غلط کاریوں کے نئے طریقوں کی روک تھام کیلئے اپنائے گئے طریقوں کی کامیابی پر بھی سوال کھڑے کئے گئے۔ غریبوں کو کھانا بہم پہنچانے کے نام پر خوراک کی چوری کا شبہ ہے۔ اگر ہم روایتی انداز میں فرسودہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کوئی معیار قائم کریں گے تو سب کو اس نام نہاد خط افلاس کے اوپر نہیں کیا جاسکتا۔ اس چیز کو قبول عام کی سند بھی نہیں مل سکتی تاہم ہر کوئی اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کا حق دار ہے۔

قومی سلامتی خوراک ایکٹ (این ایف ایس اے) ایک بار پھر سے تقسیم میں یکسانیت کی بات پیش کرکے اس دائرے کو مکمل کرتا ہے۔ اب حکومت اس قانون کی تجاویز سے قانونی طور پر بندی گئی ہے۔۔

این ایف ایس اے کے سلسلے میں قانون سازی کا عمل سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے کافی خلفشار والا تھا، اگرچہ اس قانون کی اہمیت میں کوئی شک نہیں ہے ۔ قانون کو قابل عمل بنانے کے لئے مزید مخصوص بنانے کے لئے مزید مخصوص نشانے مقرر کرنے ہوں گے اور ان کی عدم دستیابی کی شدت کی شناخت بھی درکار ہوگی کیوں کہ اس وجہ سے پھر بہت سے ویسے ہی مسائل ابھرتے ہیں جو ٹی پی ڈی ایس 2011، ای پی ڈبلیو 2013) وغیرہ کے سلسلے میں سامنے آتے رہے ہیں۔ اے او اے کی ضروریات کی تکمیل کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر

ہم خوراک کی عدم دستیابی کی تعریف کریں تو ہمیں کہیں نہ کہیں ایک خط افلاس کھینچنا ہی ہوگا ہے جو بظاہر ایک پیچیدہ عمل ہے اور ابھی اس مسئلے کو پوری طرح سے حل نہیں کیا جاسکا ہے۔سب سے بڑی چنوتی اس قانون کو اے او اے کے ذریعہ ترغیبات کی کٹوتی کے ساتھ ہم آہنگ کرنا تھا(ای پی ڈبلیو 2013اے) ستمبر 2013 میں مجریہ قانون ایک ترجیحاتی گروپ اور ایک انتہائی نادار (انتودیہ) گروپ کے مستفیدین کی بات کرتا ہے' انتہائی نادار افراد سب سے زیادہ مستحق قرار دیئے گئے ہیں اور ان کی ضرورت کی تکمیل کے لئے ریاست کو خوراک ذخائر رسائی حاصل کرنی ہوگی۔

آخری تاہم اتنی ہی اہم بات یہ ہے کہ خوراک کی قومی سطح پر وافر دستیابی کے مقصد کو ہرگز نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات سچ ہے کہ سبز انقلاب نے ملک کی اناج پیداوار میں بے مثال اضافہ کیا ہے اور اس کے نتیجے میں بڑی مقدار میں فاضل اناج جمع ہوگیا ہے جس نے درآمدات کی ضرورت تقریباً ختم کردی ہے اور برآمدات کا راستہ کھول دیا ہے۔ دراصل ہندوستان نے 2012-13 میں 10 ملین ٹن چاول اور چھ ملین ٹن گیہوں برآمد کیا ہے۔تاہم یہ بات ذہن میں رکھنا بے حد اہم ہے کہ یہ کامیابی موجودہ کم از کم امدادی قیمت پالیسی کے تحت ہی ممکن ہوسکی ہے جس کے تحت کاشت کاروں کو ان کی پیداوار ایک قابل برداشت سطح سے نیچے نہ گرنے کی ضمانت حاصل ہے۔ اکثر کاشت کار نادار ہیں اور اس کی وجہ سے وہ کسی طرح کا امکانی خطرہ مول نہیں لے پاتے اور اسی لئے ترغیبات کو برقرار رکھنا لازم ہوتا ہے۔فصلوں کی پیداوار سے وابستہ بیمہ' کاشت آمدنی بیمہ' برعکس موسم بیمہ' سٹہ کاروبار وغیرہ چند دنوں تک تجرباتی طور پر اپنائے گئے تھے' تاہم ان کا مجموعی نتیجہ صفر ہی رہا۔ چوں کہ ہمارے ہاتھوں میں کوئی قابل انحصار متبادل نہیں ہے' لہٰذا فی الحال جاری عوامی وصولیاں میکنزم کو ترک کرنا مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔ برعکس موسم سے وابستہ خطرات اپنی جگہ پر ہیں۔ گذشتہ دہائیوں کے دوران ملک میں موسم مہربان ہی رہا ہے' تاہم ماضی کے تجربات ہمیں خبردار کرتے ہیں کہ لگاتار ناکافی مانسون کے امکان خطرے کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ موسمیاتی تبدیلی جو ایشیائی مانسون اپنے اندر برعکس اثرات کی تمام تر پیشین گوئیاں سمیٹے ہوئے آتی ہے' زراعت کو نہ صرف کم مقدار کی بارش نہ صرف یہ کہ تباہ کرسکتی ہے بلکہ ناکافی بارش سے آئندہ فصلیں بھی متاثر ہوسکتی ہیں۔ یہاں یہ دلیل دی جاسکتی ہے کہ خوراک سلامتی صرف وافر پیداوار پر ہی منحصر نہیں ہے کیوں کہ درآمدات کے امکانات سے انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم اگر دیگر پیداواری ممالک اسی طرح کی صورت حال سے دوچار ہوں تو پھر تجارت سے بہت کم مدد مل سکے گی۔انتظام ناکافی ہے' لہٰذا ایسے حالات میں ریاستی حمایت کے حامل نظام تقسیم کی اہمیت کو یکسر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تمام امور اناج کے ذخیرے اور تقسیم کا جواز پیش کرتے ہیں اور اس کے لئے وصولیابی کی ضرورت پھر تسلیم کرنی پڑتی ہے۔خوراک سلامتی کو سماج کی بھلائی کا ایک ذریعہ تسلیم کرنے کی ضرورت ہے اور اسے کلی طور پر منڈی قوتوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔اس مقصد کے لئے سماجی ذرائع کا استعمال ڈبلیو ٹی او کی بندشوں کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے جائز طور پر کیا جاسکتا ہے۔

حکومت کی جانب سے نرمی برتنے کی ضرورت کیوں ہے:

مذکورہ دلیلیں حکومت کے منفی موقف کی تائید کرتی ہیں اور ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔افلاس' چھوٹے اور غیر منفعت بخش کھیت' زراعت سے حاصل ہونے والا ناکافی منافع' مانسون کی نیرنگی آمدنی کا فقدان' روزگار اور نقل وحمل کی سہولتیں پرانی باتیں ہیں۔ ہندوستان کی جدید کاری جو ترقی کے راستے پر قدم بڑھانے کے لئے مستعد ہے' ڈبلیو ٹی او کے تئیں ہندوستان کے نظریے پر نظرثانی کے لئے نئے پہلوؤں کو زیرغور لایا جاسکتا ہے۔ چند مالیہ پیش رفتیں مذکورہ بالا جوائز کے سلسلے میں ان کی عملی افادیت پر سوال کھڑے کرسکتی ہیں۔

جب بھی خوراک سلامتی کی بات ہوتی ہے' خوراک کا روایتی تصور ذہن میں درآتا ہے' آج جب خوراک سے متعلق امراض ناقص غذائیت جیسے چھوت پھیلانے والی' انداز حیات سے متعلق بیماریوں کی بات ہورہی ہے' خوراک کے نظریے اور تصور کو حرارے پیدا کرنے والے اناج کے علاوہ پھلوں' سبزیوں' دالوں' دودھ' جانوروں سے حاصل ہونے والی اشیا تک وسعت دینے کی ضرورت ہے۔

غذائیت فراہم کرنے والی دیگر اشیا اور غذا کے استعمال میں سلامتی کے نقطہ نظر سے خوراک کی ایک نئے اور بامعنی تعریف وضع کئے جانے کی ضرورت ہے۔ ہندوستان غذا میں مخصوص اناجوں کی شمولیت کی لازمیت مخصوص تکنالوجی کی کامیابی کی وجہ سے بھی تھی۔ قومی ثقافت کے مقابلت میں تفریقی کم ازکم امدادی پالیسی اور باغبانی پیداوار کی غیر کاروباری نوعیت نے بھی اسے

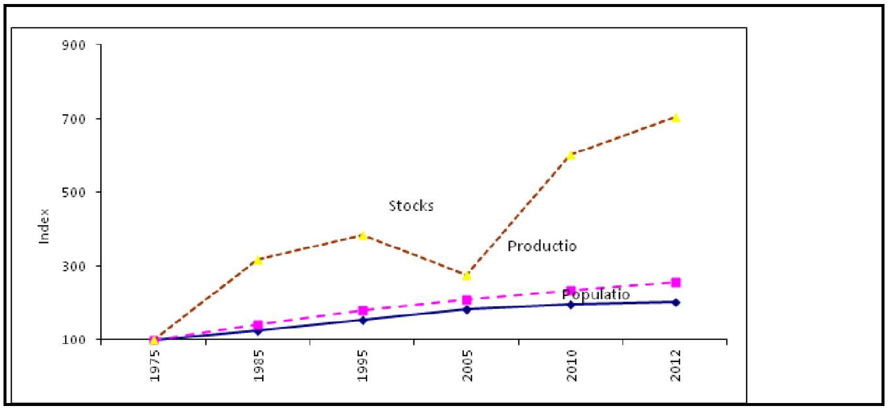

نقشہ: ہندوستان میں آبادی' پیداوار اور ذخائر: چاول اور گیہوں

بڑھاوا دیا۔قومی ثقافت' بذات خود سرکاری دخل اندازی کے مرہون منت تھا(بواسکر 2010 سوامی ناتھن 1997)۔کھپت اعداد و شمار واضح طور پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ غذائی ترجیحات بدل رہی ہیں۔ (رادھا کرشنا اورروی 1992)اوراب دو بڑے اناجوں کے علاوہ جن پر خوراک پالیسی کا دارومدار ہے' دیگر اناجوں کی بات بھی ہونے لگی ہے۔اس پس منظر میں دو مخصوص پیداواروں کا ذخیرہ صرف خوراک سلامتی کے نام پر کرنا یقینی طور پر بے معنی ہے۔

اندھادھند ذخیرے کے خلاف ایک دوسری دلیل بیش قیمت وسائل کا زیاں ہے۔اگر چہ اناج تقسیم کرنے والے منافع خور تاجروں کو معقول منافع کمانے کا کچھ نہ کچھ حق ضرور حاصل ہے' تاہم یہ تسلیم کرنا انصاف کی بات ہوگی کہ حکومت کی جانب سے بھی اس سلسلے میں کوئی بہتر مثال نہیں پیش کی گئی ہے۔ 96-1995 سے 13-2012 کے دوران ماہ جنوری میں چاول اور گیہوں کا ذخیرہ آبادی کے مقابلے میں کہیں زیادہ تیزی سے یعنی 3.2 فی صد اور 4.2 فی صد سالانہ کے لحاظ سے بڑھا۔

نقشہ نمبر 1 کے ملاحظہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس دوران بیشتر اناج سرکاری ذخیرے میں ہی آیا۔ اگر چہ 03-2002 کے دوران اناج کا ذخیرہ نسبتاً کم رہا۔ 03-2002 میں 60 ملین ٹن کا ذخیرہ تھا۔یہ خشک سالی کا سال تھا۔ 10-2009 سے ذخیرے میں اضافہ شروع ہوگیا اور 14-2013 میں یہ ذخیرہ 67 ملین ٹن تک پہنچ گیا۔اناج کا ذخیرہ فاضل مقدار کی حد سے بھی تجاوز کرگیا اور منڈی کے سال کے انتظار کے عمل کے نتیجے میں کافی مقدار میں اناج برباد بھی ہوگیا۔اس خسارے سے قدرتی وسائل مثلاً پانی' جنگلات' چارہ گاہوں' مٹی کی کوالٹی فضلے سے حاصل ہونے والے ایندھن میں کمی' ندیوں میں گاد بیٹھنے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ہندوستان کو اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہئے کہ کیا ذخائر پر اس طرح کے اخراجات کا باقاعدگی سے عائد ہونا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے؟

تیسری بات جو ترغیبات کی حمایت میں کہی جاتی ہے' وہ یہ ہے کہ سبسڈی تو غریب اور نادار کاشت کاروں کی امداد کے لئے ہر حال میں لازم ہے۔حالاں کہ یہ ایک فریب ہے۔اگر چہ فارم ان پٹ یعنی کھیتی کسانی سے متعلق سازوسامان کے لئے دی جانے والی ترغیبات چھوٹے کاشت کاروں کو پہنچتی ہیں اور یہ تعداد 80 فی صد سے زائد ہے تاہم زیادہ سے زیادہ امدادی قیمت پر وصول کیا جانے والا اناج جو عام طور سے وصول کیا جاتا ہے' لاگت کے لحاظ سے اس کی نوعیت ہر ایک ریاست میں مختلف ہوتی ہے۔اگر چہ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ چند روایتی ریاستیں مثلاً اڑیسہ اور مغربی بنگال کی ریاستوں نے اناج کے پول میں اپنا تعاون ضرور دیا ہے۔پنجاب' ہریانہ' آندھرا پردیش اور اتر پردیش کا حصہ اب بھی بڑا ہے۔ (نقشہ نمبر 1) یعنی خریداری کی سہولت کا تعلق غریبی یا کاشت کاری کی زمین کے سائز کے مقابلے میں جغرافیائی فوائد سے زیادہ ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ذخائر میں تعاون دینے والی چند ریاستیں دیگر فصلیں پیدا کرنے کے لئے قدرتی طور پر سازگار ماحولیات کی حامل ہیں۔چند ریاستوں نے اس صارفین کی ترجیح کا اندازہ کرکے آنے والے وقتوں میں غذائیت والی فصلیں بھی اگائیں۔اگر چہ یہ تبدیلی غیر یقینی

ٹیبل۔1 بڑی ریاستوں سے حصولیابی اور کاشت کا رقبہ

ریاست	خط افلاس ہیکٹر	کھیت کا رقبہ فی صد	چھوٹے کسان بوائی کا کل علاقہ فی صد	آب پاشی	چاول	گیہوں حصولیابی	میزان
ملین ٹن							
پنجاب	8.30'	3.77	34.09	97.88	8.6	10.21	18.8
ہریانہ	11.20	2.25	67.59	82.06	1.7	6.35	8.0
مدھیہ پردیش	31.7	1.78	71.46	47.23	4.3	3.54	7.8
اتر پردیش	29.4	0.76	92.46	80.67	3.0	1.73	4.7
آندھرا پردیش	9.2	1.08	86.09	45.00	9.6	0.00	9.6
اوڈیشہ	32.6	1.04	91.86	27.42	2.5	0.00	2.5
مغربی بنگال	20.0	0.77	95.93	59.21	1.3	0.00	1.3
تمل ناڈو	11.3	0.80	91.75	58.78	1.5	0.00	1.5
ہندوستان	21.9	1.05	85.01	44.92	34.2	22.51	56.7

صورت حال سے آراستہ ہے۔ اکثر کاشت کار دو منفعت بخش فصلوں کی جانب راغب ہو جاتے ہیں اور نتیجے کے طور پر اپنے مفاد کی ان دیکھی کرتے ہیں تاہم اس کے امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ اکثر اس معاملے میں پنجاب کی مثال دی جاتی ہے۔ پنجاب کی آب و ہوا اور موسم چاول کی کی پیداوار میں اتنی معاون نہیں ہے او راس ریاست میں چاول کھانے کا اتنا رواج بھی نہیں ہے پھر بھی پنچایت کے کاشت کار چاول پیدا کرنے کی جانب کھنچ رہے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ پالیسی کے نفاذ کے بعد قدرتی سازگار ماحول سے ہم آہنگ رہ کر متبادل زرعی سرگرمیوں کو اختیار کرنے سے زیادہ فائدہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ باغبانی مصنوعات کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے بھی برعکس اثرات مرتب ہوں گے۔

توازن قائم کرنے کی کوشش

موجودہ وصولی پالیسی کے حق میں اور اس کے خلاف بہت سی دلیلیں دی جاسکتی ہیں تاہم حکومت کے روبرو دونوں متبادل ہیں۔ آزادی کے بعد کی سات منصوبہ ترقی کی دہائیوں میں ڈبلیو ٹی او معاہدے پر دستخط کرنے کے تقریباً دو دہائیوں کے بعد عالم کاری سے ہم آہنگ اور کھلی منڈی تک ہندوستان کی رسائی کے راستے آج بھی صدیوں پرانی رکاوٹیں جوں کی توں حائل ہیں۔

نئی حکومت اس مقام پر شاید کوئی نرمی نہ برتے کیوں کہ لاگت نا قابل قبول طور پر افزوں ہوسکتی ہے اور اس ناپسندیدہ صورت حال سے دامن بچایا جاسکتا ہے۔ اندیشے کی سب سے بڑی وجہ این ایف ایس اے ہے جس کے لئے حکومت پہلے ہی اپنے عہد کی پابند ہے۔ اگر چہ اس بات کے امکانات ہیں تاہم یقینی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کی عمل آوری سے پہلے کے مقابلے میں کم وصولیابی کرنی ہوگی۔ وصولیابی پہلے ہی 72 ملین ٹن تک پہنچ گئی ہے جو پیداوار کا تقریباً 36 فی صد ہے۔ جب تک سبسڈی کے تخمینے کے فارمولے پر نظر ثانی نہیں کی جاتی، ترغیبات کے لئے مقرر کی گئی کم از کم حد کی بندشیں ٹوٹ سکتی ہیں۔ (نرائن 2013) اس کے علاوہ ڈبلیو ٹی او کی ایم ڈی جی کی میٹنگ جس کا تعلق خوراک کی سلامتی سے ہے، ہندوستان کے لئے دیگر ذمہ داری ہے۔ ان سب کے علاوہ کئی ملک کی پالیسی بدلنا ایک باقاعدہ سوچا سمجھا عمل ہوتا ہے۔ اس میں تیکھے موڑ بھی ہیں۔ ووٹوں کی ناخوشی بھی اندیشہ بن کر ساتھ لگی ہوئی ہے، اس کے ساتھ ہی اس عمل سے دنیا کو غلط پیغام بھی جاسکتا ہے۔

ترازو کے دونوں پلڑوں پر نظر رکھنا، ملک نے کچھ خاص قسم کے نیرنگی حالات کے تحت جو تحفظات قائم کئے تھے، اس گھیرے سے آہستہ آہستہ باہر آنا اس موقع پر بڑا مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ وفاقی تعاون پر مبنی داخلی کھلی تجارت کی راہ ہموار کرنا اور بہتر قسم کا بنیادی ڈھانچہ ہمیں کسی جھجھک کے بغیر عالمی برادری کے شانہ بہ شانہ چلنے میں مدد دے سکتا ہے۔ موسمیاتی تغیر کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے راستے طے کرنا یہ کوئی خیالی بات نہیں ہے، خاص طور سے ان حالات میں کہ جب تکنالوجی کے لحاظ سے بامعنی ترقی پہلے ہی حاصل کی جاچکی ہے اور اب بہتر طور پر موسم کی پیشین گوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ممکنہ تباہی سے دامن بچایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ کاشت کاری تبھی منفعت بخش ثابت ہوگی جب ہم منڈی سے موثر رابطے میں ہوں اور ہم منڈی کے تقاضوں کے لحاظ سے پیداوار کرسکیں۔ اس کے علاوہ ایک کھلی ہوئی بامقصد پالیسی کے ساتھ وصولیابی اور ذخائر کی مقدار میں یقینی طور پر اضافہ ہوگا جو گھریلو سطح پر سنگین انتظامی بحران کا باعث بن سکتا ہے۔

دخل اندازی کی ایک ذرا سی گنجائش یہ نکل سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ مستقبل میں ہوسکتا ہے کہ لگاتار کئی کروں تک ناکافی مانسون کا سامنا کرنا پڑے، عالمی پیمانے پر پیداواری منظر نامہ حوصلہ شکن ہو، جغرافیائی نیرنگیاں و تباہیاں رونما ہوں، کھلی تجارت کے راستے میں رکاوٹ آئے اور اسے دیگر برعکس امکانات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ ایک معیشت جواب واضح طور پر تبدیلی کے عمل سے گذر رہی ہے، وقت آگیا ہے کہ خوراک کی سلامتی کو تغذیہ سلامتی سے ہم آہنگ کیا جائے جو متوازن غذا اور کھلی ہوئی ترجیحات پر مبنی ہو۔ یہ چیز اصولی طور پر ذخائر کو گوناگوں نوعیت کا ہونا ہوگا نہ کہ صرف طے شدہ اناج کے ذخیرے میں رکھے جائیں گے۔ چوں کہ دیگر خوراک مصنوعات جلد خراب ہونے والی ہوں گی لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جوس، پوڑیاں، عرق اور دودھ پاؤڈر کا اسٹاک صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب اس کے لئے ضروری تکنالوجیاں حاصل کرلی جائیں۔

مغربی ممالک اپنی زرعی ترغیبات کے دفاع میں جی بی کا استعمال کھل کر کرتے ہیں۔ انہیں خطوط پر ذخیرہ کرنے کے عمل کی دلیل افزوں طور پر اب کمزور پڑتی جارہی ہے۔ ترغیبات پر مبنی وصولیاں جواز پیش کرنے کے لئے نہ صرف یہ لازم ہوگا کہ متعلق اصول پر جلد از جلد نظر ثانی کی جائے بلکہ اس تحفظ کو حقیقی طور پر وسائل کے فقدان کے شکار کاشت کاروں کو دستیاب کرایا جائے اور ایسے نادار مستحق کاشت کاروں کی شناخت سائنٹفک طریقوں پر کی جائے۔ فی الحال مشرقی خطے کی جانب سے جس طرح کے وصولیابی آپریشن جاری ہیں، وہ اوسط فارم سائز (نقشہ 1) کے لئے مناسب ہوسکتے ہیں جب کہ دیگر لوگوں کو اجازت دی جانی چاہئے کہ وہ اپنے بہترین امکانی پیداوار کے مضمرات کو بروئے کار لائیں۔ ایک مقام ایسا آئے گا جب ریاست قومی خوراک سلامتی کو یقینی بنانے کے لئے مثالی طور پر خود کو صرف منڈی کو منظم بنانے کے فرض کی انجام دہی کے لئے مخصوص کرلے گی تاکہ عوام ہمہ وقت وافر اور ثقافتی لحاظ سے قابل قبول غذا تک رسائی حاصل کرسکیں۔ ریاست صرف ہنگامی حالات اور سلامتی کے دائرے کی فراہمی کے لئے آگے آئے گی۔ اس طرح جو جگہ خالی ہوگی، اسے نجی تجارت کار پر کرلیں گے اور اس کے ساتھ ہی اس سے وابستہ لازمی سماجی ذمہ داریاں اور وعدے بھی پورے کرنے کے پابند ہوں گے اور واجبی قیمتوں، سودوں کی شفافیت، ذخیرہ کی موزونیت کے لئے بھی فطری طور پر جواب دہ ہوں گے۔

☆☆☆

للیتھا کامتھ

شہرکاری اور مستقبل کے چیلنج:

شہری منصوبہ بندی کے ایک نئے نمونے کی ضرورت

شہری منصوبہ بندی کے نئے اور بہتر طریقوں کی بڑھتی ہوئی نشاندہی جاری شہرکاری کے چیلنجوں کے ایک حل کے طور پر کی جارہی ہے۔ منصوبہ بند کے حل کو نئے شہر بنانے کی ایک حکمت عملی نیز موجودہ شہروں کو بہتر بنانے کے ایک ذریعے کے طور پر دیکھا جاتا ہے لیکن شہری منصوبہ بندی کے ممکنہ نئے نمونوں کے جزو کے بارے میں بہت کم وضاحت ملتی ہے۔ اس مضمون کے دو مقاصد ہیں۔ پہلا مقصد نئے شہر بنانے اور موجود شہروں کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ماضی کے تجربے سے کچھ نتائج اخذ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں جن سوالات پر توجہ دی گئی ہے' ان میں یہ شامل ہیں: کیا ہندوستان میں نئے شہر بنانے کے نتیجے میں بہتر منصوبہ بند شہر فراہم ہوئے ہیں؟ ہمارے شہروں پر شہری منصوبہ بندی کے روایتی اقدامات (مثلاً ترقیاتی منصوبہ) نیز نئے اقدامات (مثلاً شہری ترقیاتی منصوبہ) کا کس قسم کا اثر پڑا ہے؟ کیا اس طرح کی مزید منصوبہ بندی کے نتیجے میں زیادہ قابل رہائش شہر فراہم ہوں گے؟ دوسرا مقصد منصوبہ بندی کے ایک نئے نمونے کے سلسلے میں بحث کرنے کے لئے ان نتائج کو بنیاد بنایا جائے۔ یہ اس از سر نو غور و فکر پر مشتمل ہے کہ منصوبہ بندی کیا ہے نیز ہندوستانی شہر کے سیاق وسباق میں اس پر کیسے عمل کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے ایسے منصوبے بنانے میں مدد ملے گی' جو زندہ حقیقتوں کے لئے زیادہ عملی مقامات ہوں۔

مضمون نگار اسکول آف ہیبی ٹیٹ اسٹڈیز' ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس' ممبئ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔

نئے شہر بنانے کے سلسلے میں ہندوستان کا تجربہ: ایک ملی جلی تصویر

'گرین فیلڈ' کی اصطلاح کا مطلب عام طور سے ایسی غیر استعمال شدہ زمین پر تعمیرات کرنا سمجھا جاتا ہے' جہاں موجودہ ڈھانچوں کو از سر نو وضع کرنے یا انہیں مسمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک سو سے زیادہ گرین فیلڈ شہر (جمشید پور جیسے کمپنی اور چنڈی گڑھ جیسے انتظامی شہر) آزادی کے بعد تین دہوں میں اس وقت بنائے گئے تھے جب مملکت معیشت کی شاندار بلندیوں پر تھی۔ ان کا تعاون فطری اور بنیادی طور سے ترقی پذیر شہروں کے مقابلے میں سراسر محدود رہا ہے۔ تنقید اور نکتہ چینی کا سلسلہ اس حقیقت پر زور دیتے ہوئے کافی وسیع رہا ہے کہ منصوبہ بند شہروں میں خاص طور سے غریب تر طبقوں کی جیتی جاگتی حقیقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے (مثلاً کام کرنے کی ان کی جگہوں کے قریب ان کے مکانات بنانا) نیز یہ کہ شہری معیشتوں پر مشتمل انجینئرنگ کمپلیکس سے بین وابستہ نظام انتہائی مشکل ہے۔

ممبئ اور دہلی جیسے بڑے شہروں میں ملحق بستیوں نے زیادہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے' حالاں کہ وہ منصوبہ بند شہروں کے طور پر آج کسی قدر نا قابل تسلیم ہیں کیوں کہ ان مقامات میں یہ لوگوں کے روزمرہ کے معمول ہیں جو منصوبے پر غالب آچکے ہیں۔ سی آئی ڈی سی او جنوبی ممبئ کے منصوبہ بندی اتھارٹی ہے' کی بہترین کوششوں کے باوجود غیر قانونی تعمیرات اور غاصبانہ قبضے کثرت سے ہو رہے ہیں نیز بنیادی خدمات کی فراہمی میں یکسانی نہیں ہے حالاں کہ ترقی تیزی سے ہو رہی ہے۔ دوسری طرف گڑگاؤں بازار سے صفائی ستھرائی ٹھوس فضلے کے انتظام اور سڑکوں پر روشنی جیسے مکانات اور عمارتیں خریدنے کی خدمات کے ساتھ منصوبہ بندی کی ایک بہت ہی زیادہ نجی کردہ اور بازار پر مبنی کردہ ایک شکل کی نمائندگی کرتا ہے۔ سرمایہ کاریوں' صنعتوں اور لوگوں کو راغب کرنے کے لحاظ سے بہت زیادہ کامیاب' گڑگاؤں کا ماڈل بہت زیادہ ماحولیاتی اور سماجی اخراجات کا حامل ہے۔ دونوں جگہوں کی ترقی کو زمینی مارکیٹوں کی گرم بازاری اور ایک محرک سے متصف کیا جاتا ہے جو جاری ہم آہنگیوں کی شرط کے ساتھ اس علاقے کے لئے ترقیاتی منصوبے (ڈی پی) فراہم کرتا ہے۔ جب کہ ڈی پی کو ماہرین کے ذریعے ایک اوپر سے نیچے جامع منصوبہ بندی سمجھا جاتا ہے جو ایک 20 سالہ مدت میں زمین اور وسائل کی تخصیصات مقرر کرتا ہے' ایسا لگتا ہے کہ دونوں جگہوں میں منصوبے بہت زیادہ زمین مالکان' ڈیولپرس' معمار' ٹھیکے دار اور ریاستی ایجنسیاں مرتب کر رہی ہیں جو منصوبے کو ویسی شکل دے رہے ہیں جیسا کہ وہ اسے چاہتے ہیں۔

چوں کہ زمین کی قدر وقیمت میں ڈرامائی طور سے اضافہ ہوا ہے' اس لئے وہ منصوبہ جو زمین کی ترقیاتی صلاحیت کو منضبط کرتا ہے' ان گروپوں کے سلسلے کے لئے ایک دستاویز بن جاتا ہے جو اسے اثر انداز کرنا چاہتے ہیں۔

چناں چہ جن منصوبوں کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ان سے منظم ترقی آئے گی' ان کے لئے مقامی طریقوں اور سیاست کے ذریعے مقابلہ آرائی کی جاتی ہے' ان میں ترمیم کی جاتی ہے اور انہیں ہتھیا لیا جاتا ہے' جس کے نتیجے میں ایک ابتر' حالاں کہ عملی' حقیقت سامنے آتی ہے۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا متعدد طاقتوں اور اداکاروں کے ذریعے وضع کئے گئے پیچیدہ شہری نظاموں کو کبھی کم کرکے اوپر سے نیچے ماہرانہ معلومات سے تیار کردہ ایک ڈی پی کی واحد منطق کہا جا سکتا ہے؟

ترقیاتی منصوبہ' جیتے جاگتے اور متحرک شہر کے لئے کتنا موزوں ہے؟

ترقیاتی منصوبہ جو برطانوی لوگوں سے ورثے میں ملا ہے' شہروں کی ترقی کے بارے میں پیشین گوئی کرنے نیز ان کا انتظام کرنے کے لئے روایتی ذریعہ تشکیل دیتا ہے جب کہ برطانوی لوگ منصوبہ بندی کرنے کے اپنے طریقے میں ترمیم کرتے رہے تاکہ اسے اپنی ضرورتوں کے لئے موزوں بنایا جائے' منصوبہ بندی کے ہمارے طریقوں میں بہت کم بنیادی تبدیلی دیکھنے میں آئی ہے۔ اس کی وجہ سے ڈی پی اور جیتے جاگتے اور متحرک' شہر کے درمیان کافی عدم یکسانیت آئی ہے۔

مخصوص طور پر یہ ڈی پی اس شہر کے صرف ایک محدود حصے کا احاطہ کرتا ہے جس کے لئے یہ بنایا جاتا ہے۔ ضرورت کے لئے گندی بستیوں کے تحت علاقے کو شامل نہیں کیا جاتا ہے کیوں کہ گندی بستیوں کو غیر قانونی سمجھا جاتا ہے۔ درحقیقت جس چیز کو عام طور سے غیر رسمی شعبے کا نام دیا جاتا ہے' اسے منصوبے کے اندر شامل نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ منصوبہ بندی کے عمل میں ایک بنیادی نقص ہے کیوں کہ غیر رسمی شعبہ زیادہ تر روزگار فراہم کرتا ہے اور شہر کی جی ڈی پی کے لئے کافی تعاون کرتا ہے۔ شہر کے لئے محیطی ہونے کے علاوہ کم پیداوار والی تجارت اور کم مانگ والی خدمات کے سلسلے میں مصروف ہوتے ہوئے یہ شہر کی معیشت کے مرکز میں رہتا ہے اور اسے رسمی معیشت سے بے مضر طور پر وابستہ کردیا جاتا ہے۔ ہندوستانی شہروں میں ایک تہائی ورک فورس ان جگہوں میں اقتصادی سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہے جنہیں روایتی طور سے کام کرنے کی جگہیں نہیں سمجھا جاتا ہے یعنی گھر یا سڑک (این ایس ایس رپورٹ 519' 2004-05) نیز 75 فی صد ورک فورس غیر رسمی ہے (این ایس ایس او 2005)۔ اگر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کو منصوبے میں کوئی جگہ نہیں ملتی ہے تو وہ شہر کے اندر زمین اور خدمات تک کیسے رسائی حاصل کر سکتی ہے؟ وہ خاص طور سے انتخابات کے موقع پر مقامی میونسپل یا کونسلر/ایم ایل اے/ایم پی کے فنڈس سے بنیادی ڈھانچے کو بہتر بناتے ہیں۔ شہر بنانے کی یہ شکل جو بڑھتا ہوا ملا جلا استعمال ہے نیز روزمرہ کی سیاست سے جڑی ہوئی ہے' غالب شہرکاری ہے۔ یہ غالب شہرکاری وہ ہے جو ڈی پی کے ذریعہ کام نہیں کرتی ہے بلکہ اس کے برخلاف واضح طور سے جیتے جاگتے اور متحرک شہر کے لئے ڈی پی کی محدود مناسبت قائم کرتی ہے۔

منصوبہ بندی کے اقدامات کے لئے مخصوص طور پر تجاویز اور اعتراضات کے سلسلے میں شائع کئے جانے والے منصوبے کے قطعی مسودے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چناں چہ منصوبہ بنانے کے دوران مداخلت کرنے کے لئے بہت کم مواقع ہونے کی وجہ سے شہریوں اور سیاسی نیٹ ورکوں کے ذریعے ڈی پی کے لئے چیلنج منصوبہ بندی کے ایک طویل اور متنازع عمل میں ظاہر ہوتے ہیں جو منصوبہ تیار کئے جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ (سندرسن 2014) نے بتایا ہے کہ کس طرح شہریوں کے ایک گروپ نے کرناٹک ہائی کورٹ میں مفاد عامہ کا ایک مقدمہ دائر کیا تھا جس میں اپنے پڑوسی کے لئے بنگلور ماسٹر پلان (2005-15) کے ذریعے بنائے گئے ماحولیاتی منصوبوں' زمین کے استعمال کے زون بنانے کی حکمت عملی اور ٹریفک کے منصوبوں کے معقول ہونے پر اعتراض کیا گیا تھا۔ 2012 میں عدالت نے اس منصوبے کے ذریعے مجوزہ زمین کے ملے جلے استعمال کی حکمت عملی کو منسوخ کردیا تھا۔ منصوبہ بندی اتھارٹی بنگلور ترقیاتی اتھارٹی کو منصوبے کا قطعی مسودہ پیش کئے جانے اور دو سال بعد اس کی قطعی منظوری کے درمیان اس طرح کی متعدد تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ دوسری طرف کارپوریشن نے جو منصوبے پر عمل درآمد کرنے کی ذمہ داری تھی۔ مناسب تعمیراتی ضابطے وضع کئے بغیر جن سے اس نئی تعمیر کا نفاذ اور اس کی ضابطہ بندی یقینی ہوتی' نئے منصوبے کے ذریعے دیئے گئے زیادہ سے تعمیراتی حقوق کا نتیجہ طور سے غلط استعمال کیا تھا جس کا حتمی نتیجہ زیادہ سے زیادہ تعمیرات' بھیڑ بھاڑ' بنیادی ڈھانچے پر بوجھ کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ یہ ایسے مسائل تھے جن کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس نئے منصوبے میں ان پر توجہ دی جائے گی۔

قابل بحث طور سے اس کی تمام ترمیمات کے ساتھ منصوبہ بندی کے عمل کو جیتی جاگتی حقیقتوں کے لئے زیادہ موزوں ایک علاحدہ سیاق وسباق میں منصوبہ تیار کرنے کے لئے عوام کی کوششوں کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ نظام کس طرح سے بھی ایک منصفانہ نظام نہیں ہے۔ اسے غیر متناسب طریقے سے اقتصادی اور سیاسی چیدہ افراد کے ذریعے تشکیل دیا جاتا ہے اور اس سے انہی لوگوں کو فائدہ ہوتا ہے۔

منصوبے پر عمل درآمد کرنے میں ناکامی یا ضابطہ بندی ختم کرکے منصوبہ بندی

یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستانی شہروں کی زندگی کے خراب معیار کے بارے میں بیشتر ناکامیاں منصوبہ بندی کی خلاف ورزیاں کرنے کا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ شہری غریب گروپوں سے آباد گندی بستیاں اس طرح کے غیر قانونی ہونے کی مرتکب ہوتی

ہیں لیکن صرف وہ ہی غیر قانونی ہونے سے مستفید نہیں ہوتی ہیں۔ عالمی طور سے غیر رسمی شہرکاری سے غیر رسمی قطعات بندی اور نقشوں کی فروخت کے ذریعے خاص طور سے شہری بیرونی حدوں کی گندی بستیوں میں رہنے والے لوگوں سے کہیں زیادہ متوسط اور اعلی طبقے کے شہری لوگ نیز قصباتی لوگ مستفید ہوتے ہیں' لہٰذا بے ضابطگی غریبی کے مترادف نہیں ہے۔

ہندوستان میں شہروں کے بارے میں لکھنے والے اسکالرس اس بات پر زور دیتے ہیں کہ گندی بستیوں کی موجودگی اور فروغ نیز متوسط اور اعلی طبقوں کے غیر قانونی کاموں کو منصوبہ بندی کی ناکامیوں' کے طور پر نہیں بلکہ منصوبہ بندی کے عمل کے ایک لازمی جزو کے طور پر سمجھے جانے کی ضرورت ہے۔ رائے (2009) نے دعوی کیا ہے کہ ترقی کی پیشین گوئی اور اس کا انتظام کرنے کے بارے میں ہونے کی بجائے ہندوستان میں شہری منصوبہ بندی بے ضابطگی کے متواتر منتقل ہونے والے عمل کے ذریعے زمینی وسائل کے انتظام کے بارے میں ہے۔ انہوں نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ ہندوستان میں منصوبہ بندی کے نظام کی شناخت ضابطہ بندی ختم کئے جانے کے ذریعے کی جاتی ہے (رائے 2009)۔ غیر ضابطہ بندی کے مخالف کے طور پر ضابطہ بندی ختم کرنا ایک' مناسب بے ضابطگی' کی دلالت کرتا ہے جہاں مملکت جان بوجھ کر ضابطہ جاتی اختیارات واپس لے لیتی ہے اور یہ ابہام شہری ترقی کے عمل کی تشکیل کرتا ہے۔

کامتھ اور ڈیکشت اس بات کو بہتر طور سے سمجھنے کے لئے مہاراشٹر کے شولا پور میں ریزرویشن کے معاملہ کا ذکر کرتے ہیں کہ ضابطہ بندی ختم کرکے منصوبہ بندی فی الواقع کس طرح کام کرتی ہے۔ مہاراشٹر ٹاؤن اینڈ کنٹری پلاننگ ایکٹ میں ریزرویشن ایک ایسے ذریعے کی نمائندگی کرتا ہے جس کے توسط سے منصوبہ بندی اتھارٹی اسکولوں باغات جیسی عوامی سہولیات کے لئے کچھ زمینیں مخصوص کرسکتی ہیں اور مفاد عامہ میں زمین حاصل کرسکتی ہیں۔ اگر زمین میدانی علاقے میں مخصوص کی جاتی ہے تو تعمیراتی اجازت کسی اور استعمال کے لئے نہیں دی جاسکتی ہے نہ ہی اس صورت میں عمارت کو باضابطہ کیا جاسکتا ہے' اگر تعمیر کی جاچکی ہے۔ جب کہ عمل میں سٹی کارپوریشن شاذونادر ہی ریزرو کردہ زمینوں کو حاصل کرتی ہے یا انہیں تیار کرتی ہے جیسا کہ منصوبہ میں مقصود ہے (عموماً) فنڈس کی کمی بتائی جاتی ہے)' سیاست داں حمایت حاصل کرنے کے لئے ایک سیاسی حکمت عملی کے طور پر زمین کے بارے میں ریزرویشن کرنے کی دھمکی کا استعمال کرتے ہیں۔ منظم ترقی کی منصوبہ بندی کے مقصد کی بجائے سیاسی فائدے کے لئے ریزرویشن کے لچک دار استعمال کا مطلب ہے کہ ریزرو کرنا اور بدلے میں غیر ریزرو کرنا یا ریزرویشن منسوخ کرنا قابل گفت وشنید عمل بن جاتا ہے۔ یہ اختیار زمین کے بازار پر کنٹرول کرنے کے قابل بناتا ہے۔ اس وجہ سے دریں اثنا تمام ریزرویشن غیر رسمی طور سے تیار کئے گئے ہیں کیوں کہ کارپوریشن کے ذریعے صرف 6 تا 9 فی صد کے ساتھ گندی بستیاں یا نقشے حاصل کئے جارہے ہیں۔ اس رسمی ترقی کے سلسلے میں یکساں ضروریات کے ذریعے سہولت بہم پہنچائی گئی ہے: (غریب) کمیونٹیوں کو مکانات کے لئے زمین کی ضرورت ہے' زمین مالکان/ڈیولپرس ریزرو کردہ زمین سے پیسہ کمانا چاہتے ہیں کیوں کہ وہ قانونی طور سے اسے ڈیولپ نہیں کرسکتے ہیں نیز منصوبہ ساز/عہدیدار اس طرح کے ڈیولپمنٹ کی طرف سے آنکھیں بند کرکے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس تمام عمل سے مقامی ایکٹروں کی زمینی محرکات کی بہترین سمجھ نیز ایک وسیلے کے طور پر جس کے بارے میں گفت وشنید ہوتی ہے' منصوبہ بندی کے ذرائع کی ان کی آگاہی کا پتہ چلتا ہے۔

منصوبہ بندی کی غیر رسمی کردہ نوعیت کی ایک امتیازی خصوصیت قانونی ہونے اور غیر قانونی ہونے کے درمیان بدلتا ہوا تعلق ہے۔ اس کے اس انداز میں مثال دی جاتی ہے' جس میں مملکت یہ فیصلہ کرنے کے لئے اپنے اختیارات ہاتھ میں لیتی ہے جو آج غیر قانونی ہے' اسے باضابطہ کیا جاسکے اور کل اسے قانونی کیا جاسکے۔ لیکن اس سے غریب لوگوں کے غیر قانونی کاموں اور امیر لوگوں کے غیر قانونی کاموں کے درمیان ایک فرق ہوتا ہے۔ دریائے جمنا کے کنارے اکشر دھام مندر کی منصوبہ بندی کی متعدد خلاف ورزیوں کے باوجود باضابطہ کردیا گیا ہے جب کہ جمنا پشتے کو جو اسی دریا کے کنارے ایک بڑی گندی بستی ہے' منصوبے کی خلاف ورزیوں کا حوالہ دیتے ہوئے مسمار کردیا گیا ہے۔

ہندوستان میں منصوبہ بندی کے نظام کے اس طرح کے ادراک سے یہ بات زوردار طریقے سے سامنے آتی ہے کہ اس طرح کی مزید منصوبہ بندی سے ہندوستانی شہروں کے مسائل حل نہیں کئے جاسکتے ہیں کیوں کہ خود منصوبہ بندی کو اس طرح کے شہر بنانے اور ان کے مسائل پیدا کرنے کے سلسلے میں الجھایا جاتا ہے۔

پروجیکٹوں کے ذریعے منصوبہ بندی: عالمی درجے کے شہروں کی تعمیر

منظم شہر بنانے کے سلسلے میں ڈی پی کی صلاحیت کے سلسلے میں بڑھتے ہوئے وہم کو دور کرنے کی وجہ سے منصوبہ بندی کے ایک نئے طریقے یعنی حکمت عملانہ پروجیکٹ پر مبنی منصوبوں کا تجربہ کیا گیا ہے (بڑے) اقتصادی اور بنیادی ڈھانچہ جاتی پروجیکٹوں کے ذریعے منصوبہ بندی کا مقصد ترقی کے ذرائع کے طور پر شہروں کی صلاحیت کو بروئے کار لانا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ اس سے عالمی درجے کے شہروں کی تشکیل عمل میں آئے گی۔ جواہر لعل نہرو قومی شہری احیا مشن (جے این این یو آر ایم) نے' جو ملک کے 65 منتخبہ شہروں کے لئے 2005 میں شروع کیا گیا ایک مرکزی پروگرام ہے' اس طرح کے رجحان کا خلاصہ کیا ہے۔ شہری سرمایہ کاری منصوبہ (سی آئی پی)' شہری ترقیاتی منصوبہ (سی ڈی پی)' شہری صفائی منصوبہ صفائی ستھرائی منصوبہ (سی ایس پی)' شہری نقل و حمل منصوبہ (سی ایم پی) وغیرہ تیار کرنے کے لئے فنڈس کی ضرورت' لیکن سخت دباؤ ہونے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور شہری مقامی اداروں (یو ایل بی) نے منصوبے تیار

کرانے کے سلسلے میں بیرونی مشیروں کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ جب کہ سی ڈی پی کے سلسلے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ترجیح اور سرمایہ کاری کے لئے اہم علاقوں کی نشاندہی کرتے ہیں شہر کے لئے ایک کلی نظریے کی نمائندگی کرے گا لیکن یہ ان انفرادی پروجیکٹوں کا ایک مجموعہ ہی رہا ہے جن کے خریدار بہت کم ہیں کیوں کہ یہ یو ایل بی یا خود لوگوں کو شامل کرکے تیار نہیں کیا گیا تھا۔ تمام مشن منصوبے منصوبہ بندی کے متوازی عمل تشکیل دیتے ہیں' جن کا تعلق ڈی پی یا ایک دوسرے سے نہیں ہے اور انہیں کوئی قانونی تائید حاصل نہیں ہے۔ وہ شہر کی ضروریات کے لئے کلی طور سے منصوبہ بنانے کی بجائے فنڈس حاصل کرنے کی ایک مشق ہے۔

جب کہ شہری غریب لوگوں کے لئے قابل استطاعت مکانات اور بنیادی خدمات کا اہتمام اس مشن کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے' شہریوں کے گروپوں اور اسکالروں نے یہ مقصد حاصل نہ کرنے کے لئے جے این یو آر ایم کی تنقید کی ہے۔ بنیادی خدمات کے مقابلے میں جنہیں خاص طور سے غریب لوگوں کے سلسلے میں نشان زد کیا جاتا ہے' زیادہ خوش حال لوگوں کو فائدہ پہنچانے والے بنیادی ڈھانچے کے پروجیکٹوں کو زیادہ فنڈ ملے ہیں۔ بہت سے شہروں میں بنیادی ڈھانچوں کے پروجیکٹوں کی وجہ سے گندی بستیوں میں رہنے والے لوگوں سے ہٹانے اور انہیں باہری علاقوں میں زبردستی باز آباد کرنے کا کام عمل میں آیا ہے۔ ڈی پی کی طرح سے ہی بیشتر سی ڈی پی غیر رسمی شعبے کے لئے کچھ تجویز نہیں کرتے ہیں۔

مجموعی طور سے اس مشن نے بنیادی ڈھانچہ فراہم کرنے اور شہری حکمرانی کی اصلاح کرنے کے اپنے نشانوں پر توجہ دینے کے سلسلے میں خراب کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستانی شہروں کے لئے تبدیلی کے سلسلے میں اس مشن کا نظریہ ایک سائز سب کے لئے موزوں ہوتا رہا ہے۔ مختلف سائز' صلاحیت اور تاریخی اہمیت کے شہروں کی سیاسی حقیقتوں اور حکمرانی کے موجودہ نظام کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے تاکہ اس مشن کو مختلف متعلقین کی ضرورتوں کے مطابق بنایا جاسکے۔ اس کے بجائے ریاستوں اور شہروں نے اپنے سیاسی اور مالی مفادات کے تئیں حکمت عملانہ ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ عمل درآمد کرنے میں ناکامی کی بجائے ان ردعمل کو مقامی اور ریاستی سطح کے اداکاروں کی ایک سیاسی حکمت عملی کے طور پر سمجھنا ہوگا جنہوں نے مشن کی منصوبہ بندی کے اس عمل کو اپنے لئے موزوں بنایا ہے جس نے انہیں کوئی کردار نہیں دیا ہے نیز جو ان کی حقیقت کے لئے غیر موزوں تھا۔

اختتام

واضح طور سے نئی ٹاؤن' منصوبہ بندی' ماسٹر منصوبہ بندی اور زیادہ حالیہ پروجیکٹ پر مبنی منصوبہ بندی سے از خود بہتر منصوبہ بند یا زیادہ قابل رہائش شہر نہیں بنے ہیں۔ ماہرین پر مبنی منصوبہ بندی کے ان طریقوں میں اہم یکسانیت منصوبے اور جیتی جاگتی حقیقتوں کے درمیان سخت تقسیم ہے۔ چناں چہ ہم منصوبہ بندی کے فرسودہ عمل کی توسیع کیسے کرتے ہیں' تاکہ کچھ نشانوں کو حاصل کرتے ہوئے اسے حکمرانی کے موجودہ ڈھانچوں اور سیاسی حقیقتوں کے لئے زیادہ اثر پذیر بنایا جائے؟

اول ہمیں حقیقی طریقے پر مبنی منصوبہ بندی کے ہمارے ادراک کے بارے میں دوبارہ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں ٹیکنوکریٹک اور سیاسی جہتوں کے درمیان ایک بولی کے طور پر تصوراتی منصوبہ بندی کا کام شامل ہے۔ اس کے لئے رسمی اور غیر رسمی عمل کے درمیان بات چیت کی ضرورت ہے نہ کہ ایک متعاقب کارکردگی کی جیسا کہ اس وقت ہوتا ہے۔ اس کے سلسلے میں منصوبہ سازی میں مرکزی طور سے شامل کئے جانے کے لئے لوگوں کی ضرورت ہے نہ کہ ماہرین کی۔

دوئم ہمیں منصوبہ بندی کی سطح پر کوششوں کو پلٹنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں لامرکزی' گفت وشنید شدہ حکومتوں کے لئے گنجائش میں اضافہ کرنے نیز مقامی سطح پر منصوبہ بندی اور زمین کی تخصیص کے عمل میں وسیع تر اور بہت زیادہ عوامی شرکت کی ضرورت ہے۔ اس وقت یو ایل بی کی منصوبہ بندی اتھارٹی کو حالاں کہ اسے 74 ویں آئینی ترمیم کے قانون کے ذریعے لازمی بنادیا گیا ہے' پیرا اسٹیٹلس کے ذریعے غصب کیا جاچکا ہے' جو عوامی جواب دہی کے بغیر کام کرتے ہیں۔ منصوبے کی تیاری میں منتخبہ نمائندوں کا کوئی سرکاری رول نہیں ہے (جو مخصوص طور سے ماہرین کی جاگیر ہے) جب کہ وہ منصوبہ بندی کے غیر رسمی کردہ عمل استثنات کے سلسلے میں بات چیت کرنے اور ضابطہ بندی ختم کرنے کے سلسلے میں کلیدی کھلاڑی ہیں۔ ایگزیکٹو اتھارٹی کے پاس ایک رسمی کردار نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یو ایل بی کے ذریعے شہری مسائل کے زیادہ پائیدار ادارہ جاتی حل تلاش کرنے کے بجائے انفرادی اقدام کرنے کی ترغیب ملتی ہے نیز جواب دہ ہوئے بغیر مداخلت کرنے کا لائسنس مل جاتا ہے۔ منصوبہ بندی ایک خالصتاً ٹکنوکریٹک عمل نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ہم عصر عالمی حقیقتوں پر توجہ دینے کے لئے پڑوس سے لے کر پوری ریاست تک کثیر پیمانوں پر سیاسی شمولیت کی ضرورت ہے۔

آخر میں ہمیں اس بات کا اعتراف کرنے کی ضرورت ہے کہ بیشتر شہر ڈی پی سے باہر یا اس سے پہلے ڈیولپ ہوتے ہیں اور ڈی پی واحد دستاویز نہیں ہوسکتا ہے جو اس کی توضیح کرتا ہے۔ ڈی پی اور اس کے عمل کو قانونی ہونے اور غیر قانونی ہونے کے درمیان حدوں کو مادی شکل دینے کے لئے استعمال نہیں کیا جانا چاہئے کیوں کہ کیا قانونی ہے اور کیا غیر قانونی ہے' اس کے بارے میں توضیحات تبدیلی سے مشروط ہیں اور ان پر مخصوص گروپوں کے ذریعے ناواجب طور سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ اس کی بجائے اسے شہر کی عملی صلاحیت میں اضافہ کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ اس عمل کو عملی بنانے کے لئے ایک اہم حکمت عملی غیر رسمی شعبے کی پائیداری کو فروغ دینا ہے۔ اس سے بہت سے لوگوں کے معیار زندگی نیز رسمی معیشت کی ترقی میں اضافہ ہوگا جس سے غیر رسمی شعبے کو قریبی طور سے وابستہ کیا جاتا ہے۔

☆☆☆

آنند سہسرانمن / روشنو پرساد

ہندوستانی شہروں کے لئے مالیے کی پائیدار فراہمی

ہندوستان میں میونسپل مالیات مقامی حکومتوں کے فنڈز اور فرائض کے درمیان مستقل تناؤ کا باعث ہیں۔

ہندوستان میں شہروں کے پاس اپنی اخراجاتی ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی مالیہ ہے۔ حالاں کہ 74ویں آئینی ترمیم کے قانون (سی اے اے) کے ذریعے مقامی حکومتوں کو بہت زیادہ عملی خودمختاری دی گئی ہے، تاہم اسی کے مطابق مالی خودمختاری نہیں ہے۔ 74ویں سی اے اے کے تحت میونسپل اداروں کے ذریعے ادا کئے جانے والے 18 فرائض میں سے آدھے سے بھی کم فرائض کے لئے مالیہ فراہم کرنے کا ایک مطابقتی ذریعہ ہے۔ مزید برآں زیادہ تر مقامی حکومتیں ریاستی حکومتوں کے قطعی اتفاق رائے کے بغیر ٹیکس کی شرحیں مقرر یا وصول کرنے کی بنیادیں تبدیل نہیں کرسکتی ہیں۔ وہ بہت زیادہ اثر جو ریاستی حکومتیں مقامی حکومتوں کی مالی خودمختاری کو محدود کرنے کے سلسلے میں ڈالتی ہیں، اس حقیقی سے عیاں ہے کہ کچھ ریاستی حکومتوں نے بعض اوقات مالیے کے مناسب متبادل ذرائع فراہم کئے بغیر میونسپلٹیوں کے لئے اپنے مالیے کے اہم ذرائع ختم کردیئے ہیں۔ مثلاً جب راجستھان اور ہریانہ نے شہری مقامی حکومتوں سے صلاح مشورہ کئے بغیر جائیداد ٹیکس ختم کردیئے تھے۔ یا جب پنجاب نے صلاح مشورہ کئے بغیر جائیداد ٹیکس کے لئے حد اتنی زیادہ کردی تھی کہ تقریباً دو تہائی جائیدادیں ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگئی تھیں۔ لیکن ہندوستان میں میونسپل مالیے کے تمام مسائل کا سبب حکومتوں کے اعلیٰ سطحوں کو قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ مقامی حکومتیں ٹیکس اور فیس کے وہ اختیارات تک بھی مناسب طور سے استعمال کرنے میں ناکام رہی ہیں، جو انہیں تفویض کئے گئے ہیں جس کی خاص وجہ وصولی کرنے کی کافی کوشش نہیں کرنا ہے۔ مثلاً تیرہویں مالیاتی کمیشن نے یہ نتیجہ لگایا تھا کہ ہندوستان کے لئے جائیداد ٹیکس جمع کرنے کی کارکردگی 37 فی صد رہی ہے جو کہ بے پایاں طور سے کم نمبر ہے۔ ہندوستانی شہروں میں اپنا مالیہ پیدا کرنے کی بہت کم سطحوں نے انہیں اپنے شہریوں کے لئے بیشتر بنیادی عوامی خدمات تک بھی فراہم کرنے سے محروم کردیا ہے۔ مثلاً حیدرآباد کی 40 فی صد آبادی کو پانی کی سپلائی کے براہ راست کنکشنوں تک رسائی حاصل نہیں ہے اور بنگلور میں 50 فی صد گھروں میں گندے پانی کی نکاسی کے کنکشن نہیں ہیں جب کہ ہندوستان میں شہری پالیسی کا زور میٹروپالیٹن مرکزوں پر رہا ہے، ہندوستان کے چھوٹے اور درمیانہ شہروں میں پبلک بنیادی ڈھانچے اور خدمات کی فراہمی کی موجودہ صورت حال بڑے شہروں کے مقابلے میں زیادہ پریشان کن ہے۔ مثال کے طور پر کرناٹک کے چھوٹے شہر سری رنگا پٹنم میں ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً 39 فی صد آبادی کو کوڑا کرکٹ جمع کرنے کی خدمات تک رسائی حاصل نہیں ہے نیز سڑکوں کے نیٹ ورک کی کمی تقریباً 51 فی صد ہے۔

بڑے اور چھوٹے دونوں شہروں کے سیاق وسباق میں اہم سوال جس سے ہم دوچار ہوتے ہیں، یہ ہے کہ: خدمات کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے جو کہ آئندہ پندرہ برسوں میں تمام شہریوں کے لئے وضع کردہ نشانات کے مطابق شہر پبلک بنیادی ڈھانچے کی ترقی وفروغ کے لئے کس طرح پائیدار طور سے مالیہ فراہم کرسکتے ہیں؟

شہروں کے لئے مالیہ فراہم کرنے کے ذرائع

میونسپل مالیے کے دو ذرائع ہیں یعنی اپنے میونسپل مالیاتی اور تفویض کردہ مالیات۔ اپنے میونسپل مالیات ان کے ذریعہ عائدہ کردہ ٹیکسوں اور فیسوں سے میونسپلٹیوں کے پیدا کردہ مالیات ہیں مثلاً جائیداد ٹیکس اور پانی کے چارجز، تفویض کردہ مالیات وہ مالیات ہیں، جو حکومت کی اعلیٰ سطحوں کے ذریعے مقامی حکومتوں کو تفویض کئے جاتے ہیں مثلاً ریاستی مالیاتی کمیشن کی سفارش کردہ رقم کی سپردگیاں۔ مقامی حکومتیں مرکزی یا ریاستی سطح پر قائم کردہ پروگراموں پر عمل درآمد کرنے کے لئے بھی رقم حاصل کرسکتی ہیں مثلاً قومی دیہی روزگار گارنٹی اسکیم (نریگا) یا

مضمون نگار آئی ایف آر ایم آر فاؤنڈیشن کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر ہیں۔
anand.s@ifmr.co.in

ریاستی سطح کی مکانات اسکیمیں۔

شہری بنیادی ڈھانچے میں سرمایہ کاری کے لئے ہندوستان کا موجودہ منشور دو مختلف ضروریات کا احاطہ کرتا ہے: ایک : اس بات کو یقینی بنانا کہ بنیادی ڈھانچے کے اہتمام اور خدمات کی فراہمی کے سلسلے میں رکے ہوئے موجودہ کام آئندہ پندرہ برسوں میں کافی طور سے پورے ہو جائیں: اور دوسری' اس عرصے میں آبادی اور اقتصادی سرگرمی میں اضافہ ہونے کی وجہ سے بنیادی ڈھانچے کی تمام اضافی ضروریات پوری کرنا۔ ہندوستانی شہری بنیادی ڈھانچہ اور خدمات سے متعلق رپورٹ (2011) میں تخمینہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستانی شہروں کو 2012 سے 2031 تک 20 سال کی مدت میں شہری بنیادی ڈھانچہ کے سلسلے میں (2009-10 کی قیمتوں کے حساب سے) 40 لاکھ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کرنے کی ضرورت ہے۔ جواہر لعل نہرو قومی شہری احیا مشن (جے این یو آر ایم) جیسے پروگراموں اور گرانٹوں کے ذریعہ بینک رولنگ شہر حکومتوں کی اعلی سطحوں پر کافی مالی بوجھ ڈالتے ہیں۔ سرمایہ کاری کے اس پیمانے پر جس کی ضرورت ہے نیز مرکزی اور ریاستی دونوں حکومتوں کی مالی صورت حال پر غور کرتے ہوئے یہ زبردست مالی انحصار جو مقامی حکومتوں نے ریاستی اور مرکزی حکومتوں پر کیا ہے' نا قابل برداشت ہے۔

اسی صورت حال میں ہندوستانی شہروں کو مقامی ٹیکسوں اور فیسوں کے ذریعے اپنے مالیے کی اعلی سطحیں پیدا کرنے نیز سرمایہ جاتی منڈی سے قرض لے کر اس میں اضافہ کرنے کی لازمی طور سے ضرورت ہوگی۔

الف۔ اندرونی مالیہ پیدا کرنا

ایک میونسپلٹی کے لئے دستیاب مالیہ فراہم کرنے کے انتخابات کے بارے میں کوئی بھی تبادلۂ خیالات اس مالیے کی مفاہمت سے شروع کرنا ہوگا جو یہ اندرونی طور سے پیدا کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی سطح پر ایک میونسپلٹی کے اندرونی مالیے کی پیداوار اس کی حکمرانی کے معیار نیز اس کے انتظامیہ کی شفافیت اور جواب دہی کا ایک اظہار ہے۔ چناں چہ ایک میونسپلٹی کی اندرونی مالیہ فراہم کرنے کی صلاحیت کا اندازہ اس کی حکمرانی کے معیارات کے بارے میں ایک فیصلہ ہے۔ ایک بہتر طور سے انتظام کردہ میونسپلٹی اطلاعات کی بہتر دستیابی' اندازہ لگانے کی بہتر صلاحیت' وصولی کی بہتر کارکردگیوں میں مضمر ہوتی ہے جن کا اظہار مالیہ فراہم کرنے کے اندرونی

ذرائع کے توسط سے پیدا کردہ مالیات کی مقدار کی صورت میں ہوتا ہے۔

بارہویں مالیاتی کمیشن نے اشارہ دیا ہے کہ 2001-02 میں ہندوستانی میونسپل شعبے کا کل مالیہ جی ڈی پی کا محض 0.67 فی صد تھا جس میں سے میونسپلٹیوں کا اپنا مالیہ صرف 0.38 فی صد تھا' نہ صرف یہ مثالی معیارات کے ذریعے چھوٹے نمبر ہیں بلکہ یہ برازیل جیسی دیگر ابھرتی ہوئی معیشتوں کے نمبروں سے کافی کم ہیں جس کا' مثال کے طور پر میونسپل مالیہ جی ڈی پی کا 7.4 فی صد اور اپنا مالیہ جی ڈی پی کا 2.6 فی صد ہے۔ مزید برآں شہروں کے کل مالیے میں اپنے مالیے کے گرتے ہوئے فی صد کا پریشان کن رجحان پایا جاتا ہے جو 2002-03 فی صد میں 63.5 فی صد سے کم ہو کر 2007-08 میں 52..9 فی صد ہو گیا ہے۔

جائیداد ٹیکس

جائیداد ٹیکس میونسپلٹیوں کے لئے مالیہ کا انتہائی اہم انفرادی ذریعہ ہیں۔ تیرہویں مالیاتی کمیشن نے تخمینہ لگایا ہے کہ وصول کردہ جائیداد ٹیکس جی ڈی پی کے 0.16 فی صد اور 0.24 فی صد کے درمیان ہوتے ہیں جن امور کو وہ اجاگر کرتے ہیں' ان میں 56 فی صد کے حساب سے جائیدادوں کا اندازہ لگانے کی خراب شرح' 37 فی صد کے حساب سے وصول کرنے کی خراب کارکردگی اور زیادہ بنیادی طور سے جائیداد کی قیمت کا اندازہ لگانے کے استعمال کردہ طریقے شامل ہیں۔

جائیداد ٹیکس کے ایک اچھے نظام کی پیشین گوئی پانچ ستونوں پر کی جاتی ہے یعنی نشاندہی' فہرست کا انتظام' اندازہ' وصولی اور نافذ کرنے کے نظام'۔ ایک شہر میں تمام جائیدادوں کا نقشہ بنانے کے جغرافیائی اطلاعاتی نظاموں (جی آئی ایس) پر عمل درآمد کرنے سے جائیدادوں کی قیمت کا تخمینہ لگانے کی شرح پر کافی اثر پڑ سکتا ہے کیوں کہ اس سے میونسپل انتظامیہ کو ان جائیدادوں کے جائے وقوع کی صحیح نشاندہی کرنے والا ایک بصری' فضائی ذریعہ فراہم ہوتا ہے' جو ٹیکس جال میں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں شہروں کے ذریعے جی آئی اس پر عملدرآمد کرنے کی رفتار سست رہی ہے لیکن احمد آباد' بنگلور اور حیدرآباد جیسے شہروں کے پاس اب جی آئی ایس نقشے ہیں جو جائیداد ٹیکس کے تعین کے لئے استعمال کئے جانے کے سلسلے میں شروعات ہیں۔

درحقیقت تیرہویں مالیاتی کمیشن نے تخمینہ لگایا ہے کہ اگر جائیداد کی قیمت کا اندازہ لگانے کی کل ہند شرحیں اور وصول کرنے کی کارکردگیاں دونوں 85 فی صد رہیں تو جائیداد ٹیکسوں کے ذریعہ پیدا کردہ مالیہ جی ڈی پی کا 0.68 فی صد ہوگا یعنی اپنی موجودہ سطحوں سے تین سے چار گنا زیادہ۔

جہاں تک تعین کرنے کے طریقے کا تعلق ہے' جے این این یو آر ایم کے ظہور میں آنے سے حالیہ برسوں میں اس نظام کی اصطلاح کرنے کے سلسلے میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے جس کے لئے کرایے پر قابو پانے سے

متعلق قوانین کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے' لہٰذا کچھ ریاستوں نے کرایے پر قابو پانے کے اپنے قوانین میں ترمیم کی ہے نیز ایک ایسے عملاً مارکیٹ ایریا پر مبنی نظام کے لئے جائیداد ٹیکس کے اپنے نظاموں کو از سرنو وضع کیا ہے' جو کرایے کی قدر و قیمت پر مبنی پرانے نظاموں سے دور جائے وقوع پر جائیداد کی قدر و قیمت نیز جائیداد کی استعمالی خصوصیات کی بنیاد بنتا ہے۔ یہ بات لازمی ہے کہ ہندوستان میں تمام شہروں کو اس طرح کے ایریے پر مبنی نظاموں کی طرف بڑھنے اور بالآخر ایک سرمایہ جاتی قدر وقیمت پر مبنی نظام کی طرف بڑھنے کے سلسلے میں ترغیب دی جائے تاکہ زمین کی قدر و قیمت میں اضافوں کو بہتر طور سے روکا جاسکے۔ اس سے جائیداد ٹیکس مالیے کا ایک لچک دار ذریعہ بن سکتے ہیں۔ تیرہویں ٹیکس جی ڈی پی کا تقریباً 2 فی صد ہیں جب کہ ترقی پذیر اور تغیر پذیر معیشتوں میں یہ 0.65 فی صد ہیں۔ ہندوستان کو جی ڈی پی کی 0.20 فی صد پر جائیداد ٹیکسوں کے ساتھ ان نشانات کی طرف آگے بڑھنا ہوگا۔ جی ڈی پی کے 0.50 فی صد پر بھی' ہندوستان میں جائیداد ٹیکس کی وصولی موجودہ 8000 کروڑ روپے کے مقابلے میں بہت معقول یعنی 20,000 کروڑ روپے ہوگی۔ او ای سی ڈی کی سطحوں پر یہ رقم ایک لاکھ کروڑ روپے تک پہنچ سکتی ہے۔

ہندوستان میں جائیداد ٹیکس کے نظام کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ جائیداد کی شرحیں بڑی حد تک ریاستی حکومتوں کے ذریعے مقرر کی جاتی ہیں نہ کہ شہر کے ذریعے۔ یہ بات لامرکزیت کے اصول کے مطابق نہیں ہے نیز یہ چیز موثر طور سے ایک میونسپلٹی کے لئے دستیاب رقم فراہم کرنے کا بنیادی ذریعہ لے لیتی ہے۔ جائیداد ٹیکسوں کے بغیر ایک شہر کو لازمی طور سے رقم فراہم کرنے کے کسی اہم ذریعے کے بغیر پوری کرنے کے لئے ذمہ داریوں کے ایک بھاری بوجھ کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس سیاق وسباق میں جنوبی افریقہ جیسے اسی طرح کے ترقی پذیر ملکوں میں جائیداد ٹیکس کے نظاموں پر نظر ڈالنا مفید ہے جنہوں نے اس بات کی ہدایت کردی کہ سرمایے کی قدر و قیمت کا نظام تمام میونسپلٹیوں میں جائیدادوں کی قدر و قیمت معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا نیز اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ تمام جائیدادوں کی قدر و قیمت ہر پانچ سال میں معلوم کی جائے گی۔ مرکزی طور سے ہدایت کردہ اس واضح قانون سے اس بات کو یقینی بنانے میں مدد ملی ہے کہ جائیداد ٹیکس کی شرحیں اور وصولیاں شہروں کے زیر کنٹرول رہیں لیکن معقول حدود کے اندر تاکہ غلط شرحوں کی روک تھام کی جاسکے۔

استعمال کرنے کے چارجز

میونسپل بونڈس کے بازار میں یکجا کردہ بونڈس کے نظام کی شکل میں ایک ایسی بہت بیش قیمت اختراع بھی دیکھنے میں آئی ہے جس سے ان چھوٹے چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہروں کو ذرائع مہیا کئے جائیں جن میں خود اپنے آپ سرمایہ جاتی بازار تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں درکار قرضہ جاتی اہلیت اور مہارت کا فقدان ہے۔ یکجا کردہ مالیے کی فراہمی سے متعدد شہر ایک ساتھ ہوجاتے ہیں اور یکجا ہوکر قرض لیتے ہیں نیز کفایتوں اور قرضے میں اضافے کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

میونسپلٹیوں کے لئے دستیاب رقم فراہم کرنے کا ایک دوسرا بڑا ذریعہ پانی کی سپلائی' گندے پانی کی نکاسی اور کوڑا کرکٹ ہٹانے جیسی پبلک خدمات کے لئے استعمال کرنے کے چارجز کا ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ایک نجی نوعیت ہے۔ اس وجہ سے ان خدمات کے فوائد کو گھر کی سطح پر نجی کہا جاسکتا ہے۔ چوں کہ کوئی پبلک اثرات نہیں ہیں' اس لئے ان خدمات پر استعمال کنندہ کے چارجز عائد کرنا خاص طور سے معقول ہے۔ لیکن استعمال کرنے کے چارجز سے پیدا کردہ مالیہ ہندوستان میں بے پایاں کم ہے جیسا کہ اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ تمام یو ایل بی سے غیر ٹیکس مالیہ جی ڈی پی کا 0.18 فی صد ہے۔ استعمال کرنے کے چارجز کے نظام کی عدم موجودگی میں' شہر بنیادی کم سے کم خدمات تک بھی فراہم کرنے کی اپنی صلاحیت کے لحاظ سے شدید طور پر معذور ہیں۔

ایک خدمت کے ایک بنیادی کم سے کم معیار کی پائیدار فراہمی کے لئے استعمال کرنے کے ایسے محصول لگانا لازمی ہے جو چلانے اور دیکھ بھال کرنے (او اینڈ ایم) کے جاری اخراجات کا احاطہ کریں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اس پر جے این این یو آر ایم کے تحت کافی توجہ دی جائے گی' دس سے بھی کم شہروں نے پانی کی سپلائی اور گندے پانی کی نکاسی کی خدمات کے لئے پورے اخراجات وصول کئے ہیں جب کہ پانچ سے بھی کم شہروں نے ٹھوس فضلے سے متعلق خدمات کے سلسلے میں پورے اخراجات وصول کئے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی برمحل ہے کہ بیشتر معاملات میں شہروں کو استعمال کرنے کے چارجز لگانے کے لئے ریاستی حکومتوں کی منظوری لینی ہوتی ہے نیز اس سے استعمال کرنے کی فیس کی وہ شرحیں مقرر کرنے کی ان کی صلاحیت رکتی ہے جنہیں وہ مناسب سمجھے جاتے ہیں۔ جائیداد ٹیکس کے معاملے کی طرح چارجز لگانے کا اختیار شہر کے پاس ہونا چاہئے تاکہ خدمات کے بہتر اہتمام کی ترغیب دی جاسکے۔

خدمات کے اہتمام کے سلسلے میں کئے گئے اخراجات وصول کرنے کی غرض سے استعمال کرنے کے

چارجز پر معیاری نظر ثانی کرنے کی بھی ضرورت ہے لیکن استعمال کرنے کے چارجز میں اضافہ خدمات کی فراہمی میں قابل ادراک بہتریوں کے ساتھ ساتھ کیا جانا چاہئے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ فیس میں اضافہ چارجز دینے والے لوگوں کے لئے خوشگوار ہے۔ ہندوستان اور دنیا بھر میں تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ کتنے بھروسے مند اور مسلسل خدمات کی دستیابی کے سلسلے میں چارجز دینے کے لئے رضامند ہیں۔ شہروں کو استعمال کرنے کے مناسب محصولات لگانے کے قابل ہونا چاہئے نیز اس بات کو یقینی بنانا چاہئے کہ مختلف سبسڈیاں دینے کا منصوبہ اس طرح سے بنایا جانا چاہئے کہ مجموعی او اینڈ ایم اخراجات وصول ہوجائیں، گو مساوات کے سلسلے میں اس بات کی ضرورت ہو کہ آبادی کے مختلف حصوں سے مختلف طور سے چارجز لئے جائیں۔

جب تک شہر جائیداد ٹیکسوں اور استعمال کرنے کے چارجز کے ذریعے مالیے کی کہیں زیادہ اعلی سطحیں پیدا کرنے کے قابل نہ ہوجائیں، اس وقت تک یہ دیکھنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں اعلی معیاری پبلک خدمات کی فراہمی کے لئے منشور کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہندوستانی شہر برازیل جیسے ہم پلہ ملکوں میں قائم کردہ مالیے کی اندرونی پیداوار کی سطحیں حاصل کر لیتے ہیں تو پیدا کردہ اندرونی مالیہ آج کی رقم سے سات گنا زیادہ ہوگا۔ مالیے کی اپنی بنیاد میں اس طرح کی رقم سے سات گنا زیادہ ہوگا۔ مالیے کی اپنی بنیاد میں اس طرح کے اضافے کا مطالب یہ بھی ہوگا کہ اپنے مالیے اور تفویض کردہ مالیے کے درمیان تعلق میں اضافے کے ایک حکم کے ذریعے بنیادی طور سے تبدیلی کی جاسکتی ہے: یعنی اس وقت 1.3 فی صد سے امکانی طور پر 9 یا 10۔ کئی طریقوں سے یہ ہندوستانی شہروں میں اپنے ذرائع والے مالیے میں اضافہ کے لئے زبردست صلاحیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

ب۔ مالیے کی فراہمی کے لئے مارکیٹوں کو بروئے کار لانا

ایک بار ایک شہر کے مالیے کے اپنے ذرائع پوری طرح سے کام کرنے لگیں، تو اس سے قرضہ جاتی سرمایے کے بازاروں سے رقم لینے کا امکان کھل جاتا ہے۔ جائیداد ٹیکس اور استعمال کرنے کے چارجز جیسے مالیے کے اندرونی ذرائع ایک میونسپلٹی کے لئے دستیاب رقم فراہم کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہم ذرائع ہیں کیوں کہ اندرونی وسائل کی موثر، قابل پیشین گوئی پیداوار کے بغیر رقم فراہم کرنے کے نئے بیرونی ذرائع کو راغب کرنا ایک زبردست چیلنج ہوگا۔ بیرونی ذرائع، خواہ بینک کے قرضوں، بونڈز کی شکل میں یا سرمایہ جاتی بازار کے دیگر ذرائع کی شکل میں صرف اس اندرونی مالیے کی بنیاد پر جو وہ اب پیدا کرتے ہیں، میونسپلٹیوں کے لئے دستیاب ہوں گے نیز

ان سے مستقبل میں مالیہ پیدا کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی قرضہ فنڈس کا ایک ایسا ظاہری ذریعہ ہوتا ہے جس کے سلسلے میں یہ پیشین گوئی کی جاتی ہے یا جو قابل پیشین گوئی ہے کہ اس مالیے سے باقدہ ادائیگیاں کی جائیں گی جس کے سلسلے میں میونسپلٹی سے مستقبل میں پیدا کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ اس لئے اس کے بارے میں رقم فراہم کرنے کے ایک اضافی ذریعے کے طور پر نہیں سوچا جاسکتا ہے۔ چناں چہ قرضہ پختہ تغیر کلی فراہم کرتا ہے جس سے شہر طویل مدتی منصوبہ بندی کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں۔ ایک میونسپلٹی کو اس بات کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہوگی کہ اس سے پہلے کہ وہ بیرونی قرضے کو راغب کرنے کی توقع کرے، وہ ایک جاری بنیاد پر فنڈس کا یہ پائیدار ذخیرہ قائم کرنے کے قابل ہے، لہٰذا ایک میونسپلٹی کے رقم فراہم کرنے کے اندرونی ذرائع کو بیرونی تجارتی قرض سے استفادہ کرنے کا ارادہ کرنے سے پہلے اچھی حالت میں ہونے کی ضرورت ہے۔

اس بات کو سمجھنا اہم ہے کہ فنڈس کے لئے سرمایہ جاتی بازاروں تک رسائی کرنے کے بارے میں لاینفک طور سے کچھ بھی پسندیدہ نہیں ہے۔ اگر مرکزی یا ریاستی حکومتیں ایک شہر کی تمام ضروریات کے لئے کم اخراجاتی رقم فراہم کرنے کی ضمانت دے سکتی ہیں تو قدرتی طور سے وہ شہر کے لئے سب سے زیادہ پر کشش انتخاب ہوگا۔ تاہم مرکز اور ریاستوں پر مالی دباؤ کی حقیقت نیز شہروں کے لئے مطلوبہ مالیے کی فراہمی کی اہمیت کے پیش نظر سرمایہ جاتی بازار سے رقم اٹھانا لازمی ہوجاتا ہے۔

میونسپل بونڈس

میونسپل بونڈس کا نظریہ ہندوستان کے لئے نیا نہیں ہے۔ پانی کی فراہمی کے بنیادی ڈھانچے کے سلسلے میں

مالیہ فراہم کرنے کے لئے احمد آباد میونسپل کارپوریشن کے ذریعہ جاری کردہ 1998 کے بونڈ ہندوستان میں میونسپل بونڈ کی مارکیٹ کو فروغ دینے کی شروعات کی علامت تھے۔ اس کے بعد حیدرآباد، چنئی، ناگپور، اندور، مدورائی، لدھیانہ، وشاکھاپٹنم وغیرہ نے میونسپل بونڈس جاری کئے ہیں۔ 2000 میں ٹیکس سے مستثنیٰ میونسپل بونڈس کی شروعات کے نتیجے میں ٹیکس سے مستثنیٰ بونڈس کے اجرا میں زبردست اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ 900 کروڑ روپے سے بھی زیادہ کی مالیت کے ٹیکس سے مستثنیٰ میونسپل بونڈس جاری کئے گئے تھے۔ میونسپل بونڈس کی مارکیٹ اجرا کے حجم میں کافی اضافے کے لئے پر تولے ہوئے نظر آئی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی جزوی وجہ جے این این یو آر ایم سے منسوب کی جاسکتی ہیں۔ جے این یو آر ایم کے تحت 1.15 لاکھ کروڑ روپے کی کل منظور شدہ سرمایہ کاری میں سے، تقریباً 53 فی صد سرمایہ کاری مرکزی حکومت سے امداد کی شکل میں آئی جس نے بلاشبہ شہری بنیادی ڈھانچے میں زیادہ سرمایہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بازار سے رقم کی فراہمی کے لئے راغب کرنے کے سلسلے میں شہروں کے لئے عدم ترغیب کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔ اس سے بجا طور سے سرکاری پیسے سے تجارتی فنڈس کے باہر ہوجانے کے سلسلے میں تشویشات کو ہوا دی تھی۔ جیسا کہ جے این این یو آر ایم کے ظہور کے بعد میونسپل بونڈس کے اجرا کی کم سطحوں سے پتہ چلتا ہے۔ جے این این یو آر ایم جیسے پروگراموں یا ایک سو اسمارٹ شہروں کے نئے تجویز کردہ پروجیکٹ کے سلسلے میں صریحی طور سے اس بات کی ضرورت ہے کہ گرانٹ فنڈس کو سرمایہ جاتی بازاروں کے ساتھ بروئے کار لایا جائے۔ اس طرح اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ نا کافی سرکاری وسائل بہت سے اہم سرکاری پروجیکٹوں میں پھیلیں، جو تب ہی ممکن ہوگا اگر ہر ایک پروجیکٹ کے لئے ان گرانٹوں کا استعمال کرتے ہوئے مکمل طور سے یا کافی طور سے مالیہ فراہم کیا جائے۔

میونسپل بونڈس کے بازار میں یکجا کردہ بونڈس کے نظام کی شکل میں ایک ایسی بہت بیش قیمت اختراع بھی دیکھنے میں آئی ہے جس سے ان چھوٹے چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہروں کو ذرائع مہیا کئے جائیں جن میں خود اپنے آپ سرمایہ جاتی بازار تک رسائی حاصل کرنے کے سلسلے میں درکار قرضہ جاتی اہلیت اور مہارت کا فقدان ہے۔ یکجا کردہ مالیے کی فراہمی سے متعدد شہر ایک ساتھ ہوجاتے ہیں اور یکجا ہوکر قرض لیتے ہیں نیز کفایتوں اور قرضے میں اضافے کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں اس کے مقابلے میں کم اخراجات پر سرمایہ جاتی بازاروں تک رسائی حاصل ہوتی ہے، اگر ان میں سے ہر ایک اپنے آپ بازاروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ ایک نظریے کے طور پر یکجا کردہ مالیے کی فراہمی تامل ناڈو اور کرناٹک میں بونڈس کے کامیاب اجرا سے آزمائی جاچکی ہے۔ یہ نظریہ چھوٹے شہروں میں صلاحیتیں پیدا کرنے کے سلسلے میں مدد کرنے، ان کے پروسیسز اور نظاموں کے معیار کو بہتر نیز مضبوط تر زیادہ قرضہ جاتی اہلیت والے ادارے بننے کے لحاظ سے زبردست فوائد کا حامل ہے۔ یکجا کردہ مالیے کی فراہمی کے ریاستی ادارے (ایس پی ایف ای) متعدد ریاستوں میں قائم کئے گئے ہیں تاکہ یکجا کردہ مالیے کے امور کو فروغ دیا جائے لیکن بیشتر ایس پی ایف ای کو بھی اپنا کام کاج شروع کرنا ہے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے سلسلے میں زیادہ توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ بازار سرگرم رہے نیز چھوٹی میونسپلٹیوں کو قرضہ جاتی سرمایے کے بازاروں تک رسائی کا موقع ملے۔

بازار یک اہم بنیادی ڈھانچے ایک جزو ایسا بھی ہے جو اس وقت ہندوستانی سیاق وسباق میں غائب ہے یعنی بازار سازی کا ایک ادارہ جو میونسپل قرضہ جاتی اجرا کے لئے ضمانتیں دے اور قرض میں اضافہ کرے۔ یہ ادارہ متعدد حکمت عملیاں اختیار کرکے میونسپل بونڈس کے بازار میں سرگرمی میں تیزی لاسکتا ہے۔ ان حکمت عملیوں میں یہ بھی شامل ہیں (i) میونسپلٹیوں کو قرض دینے کے سلسلے میں تجارتی بینکوں کو لبھانے کی غرض سے میونسپل قرض پر ضمانتیں دینا (ii) میونسپل بونڈس کے اجرا کی کم قدر کردہ قسطوں میں سرمایہ کاری کرنا، اس طرح سرمایہ جاتی ڈھانچے کاروں کو ترغیب دینا (iii) یکجا کردہ بونڈس کے مخصوص اجرا کی دستاویز مرتب کرنا اور دنیا اور (iv) بونڈس کا مالیہ بڑھا کر پروجیکٹوں کے ایک ذخیرے کو ذیلی قرضہ فراہم کرنا۔ مثال کے طور پر جنوبی افریقہ میں ڈیولپمنٹ بینک آف ساؤتھ افریقہ قرضوں کی ضمانتوں جیسے ذرائع استعمال کرکے بازار سازی کا یہ کردار ادا کرتا ہے۔ ہندوستانی سیاق وسباق میں ہڈکو جیسا ادارہ بجلی اور گیس کے بڑے پروجیکٹوں کے لئے ایک سبسڈی شدہ قرض دہندہ ہونے سے دور نیز شہری بنیادی ڈھانچے کے لئے مالیہ فراہم کرنے کے اپنے اصل منشور کے قریب تر ہوکر اپنی توجہ کی سمت کا از سر نو تعین کرکے ایک بازار ساز ادارہ بن سکتا ہے۔ اس طرح ایک طرف ہڈکو بازار کے لئے میونسپلٹیوں کی حقیقی قرضہ جاتی اہلیت کو ظاہر کرسکتا ہے نیز اس طرح ان کو انتظام کرنے اور خدمات کی فراہمی کے اپنے امور پر توجہ دینے کے لئے ترغیب دے سکتا ہے، اور دوسری طرف زیادہ میونسپل قرضے کے سلسلے میں سرمایہ کاری کرنے نیز قرضہ جاتی بازار تک رسائی کے لئے کم قدر کردہ میونسپلٹیوں کو اجازت دینے کے سلسلے میں تجارتی فنڈس کو راغب کرنے میں مدد کرسکتا ہے۔

اختتام میں ہمارے شہروں میں بنیادی ڈھانچے اور خدمات کی فراہمی کی بنیادی سطحوں کے اہتمام کے سلسلے میں کافی طور سے مالیہ فراہم کرنے میں ناکامی سے شہر کاری اور اقتصادی ترقی کے فوائد حاصل کرنے کے سلسلے میں ملک کی صلاحیت نمایاں طور سے متاثر ہوگی، لہٰذا ہندوستانی شہروں کو اپنے ذریعے والے مالیے کی زیادہ سے زیادہ اعلیٰ سطحیں پیدا کرنے نیز خدمات کی فراہمی کی کم سے کم سطحوں کو یقینی بنانے کے لئے بازار پر مبنی مالیہ کرنے کے نظاموں کا موثر طور سے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔

☆☆☆

امیتابھ کنڈو

جھگی جھونپڑی سے پاک ہندوستان

کے لئے ایک خاکہ: ایک چیلنج جسے ملک کو قبول کرنا ہوگا

راجیو آواس یوجنا (آر اے وائی) کے تحت کام کاج کا تصور اور اس پر عمل درآمد دونوں کے درمیان اچھا خاصا فرق ہے۔ آر اے وائی مرکزی حکومت کا ایک اہم پروگرام ہے جسے شہری ہندوستان کو جھگی جھونپڑی سے پاک بنانے کے تصور کے ساتھ تیار کیا گیا ہے۔ اس پروگرام کی وجہ سے مختلف حلقوں میں کافی توقعات پیدا ہوئی تھیں۔ غریب اور بے گھر افراد جو آزادی کے بعد سے یہ خواب دیکھ رہے تھے کہ انہیں سر چھپانے کی جگہ مل جائے گی انہیں یہ امید پیدا ہوئی کہ آر اے وائی کی وجہ سے ان کا یہ خواب اب شرمندہ تعبیر ہوجائے گا۔ ریئل اسٹیٹ لابی نے جو نصف دہائی سے زیادہ عرصے سے یہ خطرہ محسوس کر رہی تھی کہ ہاؤسنگ کا بلبلہ پھٹنے والا ہے، اس سیکٹر کے لئے بھاری مراعات اور ترغیبات دیکھیں۔ اسی طرح سے ہاؤسنگ لون کی وجہ سے بینکنگ سیکٹر کو بھی فائدہ ہوا۔ جھگی جھونپڑی سے پاک ہندوستان کا تصور سب سے زیادہ شہری متوسط طبقہ اور اعلیٰ طبقہ کو پسند آیا۔ انہیں اس بات سے راحت ملی کہ ان کے شہر امن و قانون اور گندگی وغیرہ سے پاک ہوجائیں گے جو کہ جھگی جھونپڑی میں رہنے والوں سے جڑے ہوئے مسائل ہیں۔ انہیں اس کی پروا نہیں تھی کہ آیا یہ کام جھگیوں میں رہنے والے لوگوں کو خالی کرا کے کیا جائے گا یا جھگی جھونپڑیوں کی ان کے مقام پر ہی تجدید کاری کی جائے گی۔

راجیو گاندھی آواس یوجنا کا نفاذ اور فریم ورک

راجیو گاندھی آواس یوجنا کی مشمولات اور قراردادوں کو مراعات سے الگ شہر کاری کی ترتیب کے سیاق وسباق میں جانچنے کی ضرورت ہے جو کہ ملک میں تقریباً تین دہائیوں سے جاری ہے۔ جواہر لعل نہرو قومی شہری تجدید کاری مشن (جے این این آر یو ایم) راجیو گاندھی آواس یوجنا کے لئے ایک موثر حوالہ یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک حقیقی آغاز فراہم کرتا ہے۔ شہروں کو اسمارٹ اور عالمی سطح پر مسابقتی بنانے کے لئے آخر الذکر کے تصور کی مانگ کے سیاق وسباق میں تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور سے راجیو گاندھی آواس یوجنا کے فریم ورک کو مشن کے لئے شہروں میں دستیاب اراضی، جھگی جھونپڑیوں کی پائیداری، جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والوں کی اہلیت اور ان کی استطاعت (کنڈو 2012) کے سیاق سباق میں جانچنا اہم ہوگا۔ ان چاروں معاملات کا جے این این ایم آر ایم / آر اے وائی شہروں کی آبادیاتی نمو اور ان میں غریبوں کی تعداد پر راست اثر پڑتا ہے جو کہ شہروں کی معاشی شمولیت اور کارگزاری کا عکاس ہوگا۔

زمین کی دستیابی اور قابل سکونت حالت

راجیو گاندھی آواس یوجنا کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے نافذ کرنے والی ایجنسی زمین مفت دستیاب کرائے۔ اگر کوئی ریاست یا شہر اس مشن کے لئے زمین مفت فراہم نہیں کر سکتے تو وہ مرکزی حکومت سے فنڈ کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ یہاں یہ موضوع سامنے ہے کہ ایک مقامی بلدیہ کس طرح سے زمین حاصل کر سکتی ہے اور اسے کیسے مفت دستیاب کرا سکتی ہے۔ کوئی بھی یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ جھگی جھونپڑی میں رہنے والے افراد کی تعداد شہری آبادی کا تقریباً 18 سے 20 فی صد ہے اور وہ شہری زمین کے صرف 3 سے 4 فی صد حصے پر رہتے ہیں۔ زمین کے اس چھوٹے سے حصے کو حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔ یہ واضح کرنا بہت اہم ہے کہ بیشتر جھگی جھونپڑیاں شہر کے مرکزی علاقوں میں ہیں جہاں زمین کی قیمت بہت زیادہ ہے اور زمین پر قبضے سے متعلق لوگوں کے مخصوص مفادات ہوتے ہیں۔

اس متعلقہ سوال زمین کی قابل سکونت حالت ہے۔ راجیو آواس یوجنا سے متعلق رہنما خطوط کی دستاویز میں یہ ذکر ہے کہ 75 فی صد جھگی جھونپڑی سے آباد زمین قابل سکونت تصور کی جائے گی اور نا قابل سکونت والی جھگی

مضمون نگار ورزبرگ یونیورسٹی، جرمنی میں معاشیات کے پروفیسر ہیں۔
akundu.jnu@gmail.com

جھونپڑی جو 25فی صد سے زیادہ نہ ہو‘ان کے مکینوں کو کہیں اور منتقل کیا جائے گا۔

ضرورت پڑنے پر 70 سے 75 فی صد جھگی جھونپڑی کو قابل سکونت تصور کیا جاتا ہے‘ دیگر جھگی جھونپڑیوں کے لئے زمین تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اپنی جگہ پر ہی فروغ دینا جھگی جھونپڑی کو بہتر بنانے کا ایک اہم طریقہ ہے۔ باقی کے 25فی صد لوگوں کو تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہوگا کیوں کہ 75فی صد جھگی جھونپڑی والی زمین پر ان میں سے ایک بڑی تعداد کو آباد کیا جاسکتا ہے جو کہ قابل سکونت حالت میں ہوگی۔

تاہم زمینی حقیقت کافی مختلف ہے۔ شہر یا ریاست کی سطح پر کوئی بھی ایجنسی جس کی زمین پر قبضہ کیا گیا ہے‘ اس کی اجازت نہیں دیتی ہے کہ اس کی زمین کو قابل سکونت قرار دیا جائے۔ وہ اپنے استعمال کے لئے یا آمدنی کا ذریعہ بنانے کے لئے یہ زمین جھگی جھونپڑی میں رہنے والے لوگوں سے دوبارہ حاصل کرنا چاہے گی۔ اس لئے عملی سطح پر شہر کے ماسٹر پلان میں مخصوص زمین کے استعمال کی وضاحت نہیں کی گئی ہے اور اگر اس پلاٹ کا مالک نہیں ہے تو اسے قابل سکونت تصور کیا جائے گا۔ بہت سے شہر جو عالمی اور قومی سرمایہ کاری کو راغب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں‘ وہ منافع کے نقطہ نظر سے قابل سکونت حالت کے معاملے کو دیکھتے ہیں۔ وہ زمین کی قدر کو ذہن میں رکھ کر اس کی قابل سکونت حالت کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں اور شہر کے اندر یا اس کے مضافات میں واقع صرف کم قدر والی زمین کو ہی قابل سکونت قرار دیتے ہیں (کنڈو 2012)

زمین کی کمی اور قابل سکونت حالت کی تشریح میں اختلافات کی وجہ سے بہت سے شہروں میں راجیو گاندھی آواس یوجنا شروع نہیں ہو سکی ہے۔ یہی معاملہ جے این این یو آر ایم کے ساتھ بھی تھا۔ بیشتر معاملات میں ریزیڈنٹ ایسوسی ایشن سمیت مقامی ادارے حکومت پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ وہ مشن کے لئے زمین حاصل نہ کرے۔ اس سلسلہ میں وہ نا قابل سکونت حالت کی شق کا حوالہ دیتے ہیں۔ بیشتر معاملات میں اسے نافذ کرنے والی ایجنسی یا ضلع سطح کی انتظامیہ زمین سطح پر اغراض پر مبنی مفادات کی وجہ سے قابل سکونت حالت سے متعلق مسائل حل نہیں کر پاتی ہیں۔ قومی مشاورتی کمیٹی نے صلاح دی تھی کہ قابل سکونت سے متعلق معاملات حل کرنے کے لئے ضلع کلکٹر انچارج ہوگا۔ کلکٹر کے لئے ایسا کرنا اس وقت تک ناممکن ہوگا جب تک مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی طرف سے واضح رہنما خطوط نہ ہوں جن میں قابل سکونت زمین سے متعلق معیارات یا تفصیلات نہ طے کی گئی ہوں۔

این ایس ایس سے حاصل شدہ جھگی جھونپڑی سے متعلق اعداد و شمار ان کی اقسام کی بنیاد پر ان کی درجہ بندی میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ دراصل یہ ممکن ہونا چاہئے کہ این ایس ایس کے آئندہ سروے میں قابل سکونت جھگی جھونپڑیوں کی کچھ نمایاں ہیئت کو شامل کیا جائے تا کہ ان کی شناخت حقیقی بنیادوں پر کی جا سکے۔ ان اعداد و شمار کی بنیاد پر یہ کہنا ممکن ہوگا کہ ایک مخصوص ریاست‘ جیسے مہاراشٹر میں اوسطاً 70 فی صد جھگی جھونپڑیاں قابل سکونت حالت میں ہیں۔ اس وقت مہاراشٹر کے شہر کچھ حد تک اس کے پابند ہوں گے کہ وہ راجیو گاندھی آواس یوجنا کے تحت جھگی جھونپڑیوں کی طے شدہ تعداد سے کم کو قابل سکونت قرار نہ دیں۔ کچھ شہروں میں یہ 65فی صد ہو سکتا ہے لیکن دیگر شہروں میں یہ 75فی صد 80فی صد ہوگا کیوں کہ قومی اور ریاستی سطح پر اس طرح کے ضوابط کو واضح نہیں کیا گیا ہے‘ اس لئے مقامی انتظامیہ کے لئے یہ بات ممکن ہو جاتی ہے کہ وہ صرف 25 سے 30فی صد جھگی جھونپڑی کو ہی قابل سکونت قرار دے دی۔ جب تک مرکزی اور ریاستی حکومتیں رہنما خطوط کے ذریعہ قابل سکونت حالت کے لئے واضح تشریح پیش نہیں کرتی ہیں کہ یہ مسئلہ مقامی سطح پر حل نہیں ہو سکتا اور اس میں قانونی رکاوٹیں آتی رہیں گی۔ جب یہ طے ہو جائے گا کہ ایک ریاست میں جھگی جھونپڑیوں کا 75فی صد قابل سکونت قرار دیا جائے تو مقامی انتظامیہ کے لئے وسائل پیدا کرنے کی غرض سے قبضے کے لئے زیادہ زمین نہیں بچے گی۔ مزید برآں یہ واضح ہونا چاہئے کہ ان قابل سکونت علاقوں کو کاروبار کے لئے پرائیویٹ بلڈروں کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

گھر کے اہل افراد کی شناخت

زمین کی دستیابی اور اس کے قابل سکونت ہونے کا معاملہ سپلائی سے متعلق ہے جب کہ گھر کے افراد کی اہلیت کے تعین اور ان کی استطاعت کا معاملہ مانگ سے متعلق

ہے۔ بیشک راجیو گاندھی آواس یوجنا کے نفاذ رعایتی مکانات کے لئے اہلیت کی دعویداری کا معاملہ بہت اہم ہے۔جھگی جھونپڑی علاقے میں کوئی یہ فیصلہ کیسے کرسکتا ہے کہ زمین اور مکان کے مالکانہ حق کے لئے کون اہل ہے۔ بہت سی سماجی تنظیموں کی دلیل ہے کہ جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والے کسی بھی شخص کو اہل تصور کیا جانا چاہئے۔ یہ امر مسلم ہے کہ طاقت ور زمین مافیا جھگی جھونپڑیوں میں سرگرم رہتے ہیں اور وہ جھگی جھونپڑی کی زمین پر دعوی پیش کرنے کے لئے باہر کے لوگوں کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ اس لئے یہ اہم ہوگا کہ جھگی میں رہنے والے اہل افراد کی شناخت کے لئے معیار طے کیا جائے۔ اگر یہ کام سرکاری ایجنسی کے سپرد کیا جاتا ہے تو وہ لازمی دستاویزات کے طور پر ووٹر شناختی کارڈ، راشن کارڈ اور آدھار کارڈ وغیرہ کا مطالبہ کرے گی جس سے اس مشن کا مقصد فوت ہوجائے گا کیوں کہ جھگی جھونپڑی میں رہنے والے بیشتر افراد کے پاس اگرچہ وہاں دہائیوں سے رہے ہیں، یہ دستاویزات نہیں ہیں۔

1990 کی دہائی کے اواخر میں سوسائٹی فار دی پرموشن آف ایریا ریسورس سنٹر (ایس پی اے آر سی) نے اس سلسلہ میں قابل تعریف کام کیا ہے۔ یہ کام حکومت مہاراشٹر اور ممبئی میونسپل کارپوریشن کے اشتراک سے کیا گیا ہے۔انہوں نے مشترکہ طور پر 16، 17 دستاویزات کی ایک فہرست تیار کی ہے، ان میں ایک پتہ پر وصول کیا گیا خط، زمین کی منتقلی کے کاغذات اور میڈیکل بل جس پر پتہ درج ہو وغیرہ شامل ہیں۔ان دستاویزات کے نہ ہونے پر بھی اگر 20 افراد کا ایک گروپ ایک شخص کی شناخت کرتا ہے کہ وہ ایک مقام پر ایک عرصے سے قیام پذیر ہے تو یہ گواہی قابل قبول ہوگی۔ یہ کام ایک سروے کے ذریعہ کیا گیا جس میں میونسپل ادارے کے افسران، ریاستی حکومت کے افسران سول سوسائٹی کی تنظیموں اور کمیونٹی نے شرکت کی۔ چاروں ایجنسیوں کے نمائندوں نے اجتماعی طور پر سرٹی فیکیٹ پر دستخط کئے جس کے ذریعے گھر کے اہل افراد کو زمین کا مالکانہ حق دیا گیا۔

سروے پر عمل درآمد کے لئے جھگی جھونپڑی میں رہنے والے لوگوں کی شہر میں آمد کی آخری تاریخ کا تعین کرنا پڑے گا۔ اگرچہ سب ہی کے لئے اسے طے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سروے کا یہ عمل رسمی لیکن شراکت داری پر مبنی ہوگا اور دستاویزات وطریقہ عمل کے لحاظ سے

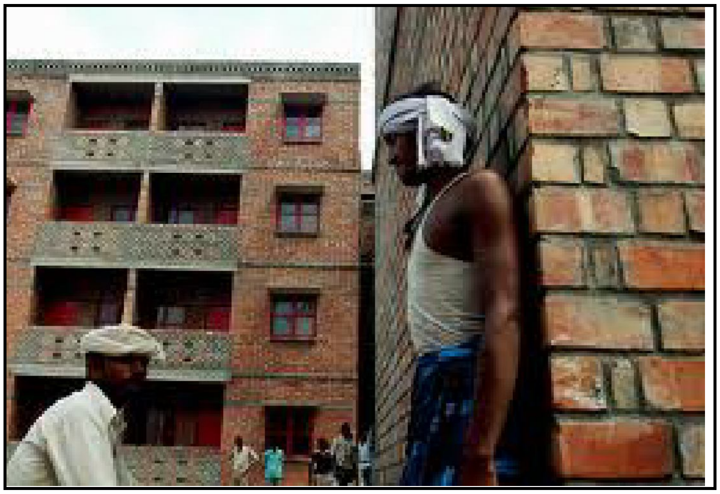

اس میں تھوڑی بہت لچک ہوگی۔ یہ بات مزید اہم ہے کہ اس طرح کے سروے کے لئے ریاست کے متعلقہ محکموں اور مقامی حکومت کی طرف سے قانونی حمایت ضروری ہے۔ مقامی کمیونٹی کی شمولیت یکساں طور پر اہم ہے۔ بدقسمتی سے جے این این یو آر ایم / آر اے وائی کے تحت جھگی جھونپڑیوں کے سروے پر بڑی رقم خرچ کی گئی ہے۔ سروے کے لئے سوال نامہ تیار کرنے اور قابل قبول دستاویزات کی فہرست کے تعین کے لئے میٹنگیں منعقد کی گئیں۔ بدقسمتی سے بہت سے شہروں میں سیاسی اور انتظامی اسباب کے لئے سروے کئے گئے لیکن دستاویزات کی فہرست اور طریقہ عمل کو حتمی شکل نہیں دی گئی۔

مکان کے لئے استطاعت رکھنا

اہلیت کے لئے معیار طے کرنے میں سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ مشن بینک میں قابل قبول ہو۔ دیپک پاریکھ کمیٹی (کمیٹی برائے قابل استطاعت ہاؤسنگ، وزارت برائے ہاؤسنگ وشہری غریبی کے خاتمہ 2004) نے سستے مکانات کی تشریح بڑے آزادانہ طریقے سے کی ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ گھر کے فرد کو قرض کی ادائیگی کے حصہ کے طور پر ماہانہ تقریباً تین ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے۔ اگر ہم 32 روپے کے خط افلاس اور صارفین کے نئے عدد اشاریہ کو لے لیں تو دہلی کے لئے ایک اوسط گھرانے کی ماہانہ آمدنی تقریباً ساڑھے چھ ہزار ہوگی۔ چھوٹے قصبوں کے لئے یہ 5800 سے 6000 روپے ہوگی۔ یہ کوئی معقول آمدنی نہیں ہے لیکن 20 فی صد شہری خاندان کے لوگ اس حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہی وہ خاندان ہیں جنہیں مشن کی طرف سے فوری توجہ کی ضرورت ہے نہ کہ وہ جو ہر ماہ 3000 روپے قرض ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حساب کتاب لگانے سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صحیح معنوں میں غریب خاندان ماہانہ قسط جمع نہیں کرسکتے۔ این ایس ایس یک صرف اور اخراجات سے متعلق 2009-10 کے ڈاٹا کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ شہری خاندانوں کے سب سے نیچے کے 30 فی صد افراد کی قرض کی دوبارہ ادائیگی کی ماہانہ صلاحیت 850 روپے ماہانہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو کہ ان کی غیر غذائی اشیا پر ہونے والے خرچ کے برابر ہے۔ موجودہ قیمتوں کے اعتبار سے یہ 1000 روپے تک بڑھائی جاسکتی ہے۔ یہ واضح ہوجاتا ہے کہ اگر 2800 سے 3000 روپے ماہانہ ادائیگی کا معیار طے کیا جاتا ہے تو اس سے انتہائی ضرورت مند لوگوں کو الگ کرنا پڑے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑے شہروں میں ایک ہزار روپے کی ماہانہ قسط پر کوئی مناسب مکان نہیں ملے گا اگر اس کے اخراجات سرکاری انتظامیہ برداشت کرتی ہے تو بھی۔ اگر مشن کو بینک کے لئے قابل قبول بنانا ایک مسئلہ ہے تو راجیو گاندھی آواس یوجنا کے تحت جھگی جھونپڑی بستیوں کے مکانات کے رقبہ کو کم کرکے

120 مربع فٹ کرنا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ 180 مربع فٹ رقبہ کے لئے اضافی سود اور نقدی مراعات دینی ہوگی۔

جے این این یو آر ایم شہروں میں ایکسکلوزیزی شہرکاری

65 بڑے شہروں کو نظر رکھتے ہوئے جہاں جے این این یو آر ایم کا نفاذ عمل میں آیا ہے' یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ (الف) آبادی میں اضافے کی شرح میں کمی آئی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ (ب) شہری علاقوں میں جھگی جھونپڑی کی آبادی میں ڈرامائی حدتک کمی واقع ہوئی ہے جیسا کہ مردم شماری 2011 اور نیشنل سیمپل سروے (این ایس ایس) کے 65ویں مرحلے کے اعداد وشمار سے واضح ہے۔ جھگی جھونپڑی کی آبادی کے فی صد میں کمی کو شہروں کو پاک صاف بنائے جانے کے عمل میں اضافے کے تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے' اس میں جھگی جھونپڑیوں کو خالی کرانے اور انہیں شہر کے مضافات میں دھکیلنا شامل ہے۔ ان جھگی جھونپڑیوں کو جن کی حالت خستہ ہے اور جہاں بنیادی سہولیات نہیں ہیں' منہدم کرنے سے جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگوں کا معیار زندگی بہتر ہوگا اور بنیادی سہولیات تک رسائی حاصل کرنے والے افراد کے فی صد میں اضافہ ہوگا۔ جھگی جھونپڑی کو دوسری جگہ بسانے نیز انہیں مضافات میں آباد کرنے سے شہری سہولیات تک رسائی بڑھے گی۔

تمام آبادیاتی اشاریوں میں جے این این آر یو ایم 65 مشن شہروں کے لئے ایکسکلوزنری ثابت ہوا ہے۔ آبادی کی شرح نمو نیز غریبی میں واضح کمی واقع ہوگی۔ جے این این آر یو ایم کے بیشتر شہروں میں آبادی میں تیزی سے ہونے والی کمی کو تولیدی یا اموات کے رجحان سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وضاحت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ ان شہروں میں ہجرت کرکے آنے والے لوگوں کو جذب کرنے کی شرح میں کمی آئی ہے۔ مزید برآں این ایس ایس سے یہ مستند شواہد بھی سامنے آئے ہیں کہ 10 لاکھ سے زیادہ آبادی والے جے این یو آر ایم شہروں میں غریب افراد کے فی صد میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے۔

راجیو گاندھی آواس یوجنا کے نفاذ کا خاکہ

منصوبہ بندی کرنے والے اور منتظمین یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ چھوٹے اور درمیانی درجے کے قصبوں میں بنیادی ڈھانچے کی کافی کمی ہے اور بڑے شہروں کے مقابلے یہاں آبادی کا فی صد زیادہ ہے اور بنیادی سہولیات بھی نہیں ہیں۔ اس کی وجہ سے پالیسی سازوں کو ان قصبوں میں بجلی' پانی اور صفائی ستھرائی کے مسائل پر توجہ دینی چاہئے۔ جے این یو آر ایم اور آر اے وائی کا موجودہ زور بڑے شہروں پر ہے جسے بدلنا ہوگا۔ اس کی سخت ضرورت ہے کہ جے این این یو آر ایم کی طرح ہی ایک مشن شروع کیا جائے تاکہ چھوٹے اور درمیانی قصبوں میں بنیادی سہولیات کو مستحکم بنایا جاسکے۔ 2011 کی مردم شماری میں 2800 ایسے نئے قصبوں کی شناخت ہوئی ہے جن میں غیر زرعی سرگرمیوں اور اپنی معیشت کو نئی جہت دینے کی صلاحیت کا پتہ چلا ہے۔ جب تک ان قصبوں کو بنیادی ڈھانچہ فراہم نہیں کیا جائے گا' وہ دیگر شہروں سے مقابلہ نہیں کرسکتے۔ وہ آنے والے برسوں میں ترقی کے مراکز کے طور پر ابھر سکتے ہیں یا شہری منظرنامے سے اوجھل بھی ہوسکتے ہیں۔ ترقی کی صلاحیت کا مظاہرہ کرنے والے بیشتر چھوٹے اور درمیانی قصبوں میں بنیادی ڈھانچے کی سہولت فراہم کرنا ملک میں ایک متوازن وسیع تر ترقی کو یقینی بنانے کے لئے حکمت عملی کا ایک اہم عنصر ہونا چاہئے۔

راجیو گاندھی آواس یوجنا کے تحت تشکیل خیال اور اس کے نفاذ کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ دونوں کی سمت الگ الگ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قومی سطح پر اور شہری سطح پر منصوبہ سازوں کے درمیان اطلاعات کی بھاری کمی ہے۔ مقامی سطح پر زمین پر مالکانہ حق رکھنے والی ایجنسیوں نے اسی مقام پر جھگی جھونپڑیوں کی تجدیدکاری کے امکان کو تقریباً یکسر مسترد کردیا ہے۔ شہر اور شہر کے آس پاس زمین پر مالکانہ حق رکھنے والی تمام ایجنسیوں نے جھگی جھونپڑیوں کے تحت اپنی زمینوں کو کسی نہ کسی وجہ سے ناقابل سکونت قرار دے دیا ہے۔ جھگی جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگ شہر سے باہر آباد ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ان زمینی حقائق کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کو جھگی جھونپڑیوں سے پاک بنانے کا قومی خواب پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔ پھر بھی یہ سب ہی کو معلوم ہے کہ اگر 60 سے 70 فی صد زمین کو قابل سکونت قرار دیا جاسکتا ہے تو اس وقت جھگی جھونپڑیوں میں رہ رہی مجموعی آبادی کا دوگنا یا تین گنا افراد کو دو سے تین منزلہ اپارٹمنٹ بناکر اور بستیوں کے بہتر ڈیزائننگ کے ذریعہ آباد کیا جاسکتا ہے۔

مشن کو شراکت داری کے فریم ورک کے اندر کام کرنا ہوگا۔ یہ مکانات جھگی جھونپڑی میں رہنے والے لوگوں کی ضروریات اور ان کی استطاعت کے مطابق انہیں مکمل طور پر اس میں شامل کرکے تعمیر کرنے ہوں گے۔ اس میں حکومت کی طرف سے مراعات بھی حاصل ہوں گی۔ اگرچہ پرائیویٹ بلڈرز کے رول سے انکار نہیں کیا جاسکتا' خاص طور سے بڑے شہروں میں جہاں زمین کی کمی ہے۔ تاہم بلڈروں کو غریبوں کے نام پر کثیر منزلہ اپارٹمنٹ بنانے کی اجازت نہیں ہوگی تاکہ وہ مارکیٹ میں اسے فروخت نہ کرسکیں۔ راجیو گاندھی آواس یوجنا کے دو بنیادی اجزا ہیں: پہلا ہاؤسنگ اور دوسرا بنیادی ڈھانچہ و بنیادی سہولیات۔ بدقسمتی سے جے این این یو آر ایم کے تحت دونوں میں توازن قائم نہیں رہ سکا اور غریبوں سے متعلق بنیادی خدمات (بی ایس یو پی) کا پروگرام کثیر منزلہ ہاؤسنگ اسکیم میں تبدیل ہوگیا۔ یہ مکانات بیشتر غریبوں کی استطاعت سے باہر ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ محدود وسائل کی وجہ سے اس طرح کی اسکیموں کو وسعت نہیں دی جاسکتی تاکہ وہ پورے شہر کا احاطہ کرلیں۔

ہمارے خیال میں جھگی جھونپڑی میں رہنے والے لوگوں کو مکانات فراہم کرنے کے لئے سنجیدہ کوشش کی جانی چاہئے' مشن کے لئے مفت زمین فراہم کی جانی چاہئے' مکانات پر آنے والے خرچ پر 50 فی صد تک مراعات دی جانی چاہئے۔ اور اس سے بڑھ کر تعمیر شدہ مکانات کے رقبہ کا تعین 180 سے 200 مربع فٹ کے درمیان کیا جاتا ہے تاکہ گھر کے لوگوں کے لئے قرض کی ادائیگی آسان ہوسکے۔

☆☆☆

ڈاکٹر رولی ارانیہ/ پروفیسر چیتن ویدیہ

کیا ہندوستان ایک 'اسمارٹ' شہری مستقبل کی منصوبہ بندی کے لئے تیار ہے؟

ہندوستان میں منصوبہ بندی کو درپیش چیلنجز

وزارت شہری ترقیات ، حکومت ہند نے اپنی ویب سائٹ پر اپنے مشن کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''ہندوستان کی ترقی کی کہانی منصوبہ بند شہری ترقی کے کینوس پر لکھی جائے گی''۔نئی حکومت کے عام بجٹ اور پالیسیوں میں ایک مرتبہ پھر اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ منظم اور سہولیات سے آراستہ شہر کاری ہندوستان کی تیز رفتار اقتصادی ترقی کا زینہ ہے۔ترقی کے ایجنڈے میں انفرااسٹرکچر، ٹکنالوجی اور 'اسمارٹ' شہری ترقی کو سب سے اوپر رکھا گیا ہے۔ دوسری طرف اسی بجٹ میں شہری علاقوں کے اقتصادی لحاظ سے کمزور طبقات کے لئے رہائش اور ہاوسنگ فائنانس کے مسئلے کا حل تلاش کرنے کو بھی ہدف میں شامل کیا گیا ہے۔تمام ترجیحات معروضی تو ہیں، لیکن ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملک میں ایسے منصوبہ ساز موجود ہیں جو ہمارے شہروں میں پائی جانے والی انتہائی غربت کو سامنے رکھتے ہوئے جدید کاری کے لئے شہری ترقی پر غور وخوض اور سہولت دونوں امور میں مدد کر سکیں۔

ہندوستان میں شہری منصوبہ بندی کی ''ناکامی'' پر گول میز کمروں اور ڈرائنگ روم میں اکثر بحث ومباحثہ ہوتا رہتا ہے۔ بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ والے، غیر منظم اور آلودگی سے دوچار شہروں میں ، جہاں انفرااسٹرکچر کی بھی کمی ہوتی ہے اور سرکاری اداروں تک عوام کی رسائی بھی نہیں ہو پاتی ہے، لوگوں کو روزمرہ کے جو تلخ تجربات ہوتے ہیں، ان کے لئے فطری طور پر منصوبہ سازوں کو قربانی کا بکرا بنا دیا جاتا ہے۔اس لئے اس کا حل ایک بہتر 'فیوچر پروفنگ' یا ایسی منصوبہ سازی میں ہے جو ہر ایک کے لئے ترقی کے تمام حقیقی امکانات کو مساوی اور غیر جانبدارانہ طور پر پورا کر سکے۔فیوچر پروفنگ کا مطلب ایسے منصوبوں سے ہے جو موجودہ حالات کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقی اور قابل اعتماد طریقے سے مستقبل کی ضرورتوں کا مظہر ہو۔منصوبہ سازوں کے لئے ان چیلنجز کا سامنا کرنا ایک مشکل کام ہوتا ہے۔

بڑی تعداد کا چیلنج

سال 2011 کی مردم شماری کے مطابق شہروں میں رہنے والی 65 ملین آبادی کچی بستیوں یا ایسے گھٹیا مکانوں میں رہتی ہے، جو انسانوں کے رہنے کے لائق نہیں ہوتے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ ہر ایک پانچ شہری باشندہ میں سے ایک بنیادی انفرااسٹرکچر اور اچھے معیار زندگی سے محروم رہ جاتا ہے۔سال 2011 کی مردم شماری سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ آزادی کے بعد سے پہلی مرتبہ ہندوستان کے شہری علاقوں میں اضافہ کی شرح دیہی علاقوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ رہی ہے۔ یعنی اب ہندوستان کے 32 فیصد (377 ملین) عوام شہری مراکز میں رہتے ہیں۔ 1991 کے بعد سے اس میں ہر دہائی میں 32-31 فیصد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری

ڈاکٹر رولی ارانیہ، گلوبلائزیشن اینڈ اربن ڈیولپمنٹ، اربن ڈیزائن اینڈ پلاننگ ڈپارٹمنٹ، ناروے یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ای میل۔
rolee.aranaya@ntnu.no
پروفیسر چیتن ویدیہ، اسکول آف پلاننگ اینڈ آرکیٹیکچر ، نئی دہلی میں ڈائریکٹر ہیں۔ای میل۔
c.vaidya@spa.ac.in

طرف سال 2001 کی مردم شماری کے بعد سے کچی بستیوں کی تعداد میں 37 فیصد کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔

ہندوستانی شہری انفرااسٹرکچر اور خدمات پر آئی ایک حالیہ رپورٹ (ایچ پی ای سی رپورٹ، مارچ 2011) کے مطابق ہندوستان کے بیشتر شہروں کے شہری انفرااسٹرکچر میں سرمایہ کاری میں 80-50 فیصد کا بیک لاگ رہتا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق سال 2012-2013 کی مدت میں شہری انفرااسٹرکچر کے لئے 39.2 لاکھ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے 2011-2012 تک شہری انفرااسٹرکچر پر ہونے والی 0.7 فیصد سرمایہ کاری کو کو سال 2031-2032 تک بڑھا کر 1.1 فیصد کرنا ہوگا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سرمایہ کاری کا بیک لاگ نہ صرف فزیکل انفرااسٹرکچر تک محدود ہے بلکہ شہری علاقوں میں انتظامیہ اور خدمات کی فراہمی کو اپ گریڈ کرنے کی ضرورت سے بھی متعلق ہے۔

عدم یکسانیت اور عدم مساوات کا چیلنج

ہندوستانی معیشت، اور کم سے کم شہری ہندوستانی معیشت تو 'غیر رسمی' ہی ہے، بھلے ہی ان کی تشریح الگ الگ ہو۔ نیشنل کمیشن فار انٹر پرائزیز ان دی ان ریکوگنائزڈ سیکٹر (این سی ای یو ایس)، جسے اب تحلیل کردیا گیا ہے، نے 2009 میں اندازہ لگایا تھا کہ 2004-2005 میں ملک میں روزگار کا 86 فیصد غیر تسلیم شدہ / غیر رسمی سیکٹروں سے وابستہ تھا۔ غیر تسلیم شدہ / غیر رسمی سیکٹروں میں شہری روزگار کی اتنی بڑی حصہ داری کی وجہ سے بیشتر شہری ترقیات رسمی اور منصوبہ بند شہر کے باہر ہوتے ہیں۔ غیر رسمی زمین مارکیٹ، تعمیرات اور غیر منظم ترقی معمول کا حصہ ہیں۔ رسمی روزگار میں آمدنی میں نابرابری اور اختیارات کے فقدان کی وجہ سے رسمی اور غیر رسمی کے درمیان یہ فرق بڑھتا جا رہا ہے۔ یو این ہیبیٹاٹ رپورٹ کے مطابق ہندوستان میں شہری عدم مساوات 1995 سے 2005 کے درمیان 34 فیصد سے بڑھ 38 فیصد ہوگیا ہے۔ (گنی انڈکس پر مبنی) (یو این ہیبیٹاٹ 2010)۔

ماحولیاتی تبدیلی اور آفات کا عالمی چیلنج

عدم مساوات اور غربت نے شہری ہندوستانیوں کو انسانوں کے پیدا کردہ اور قدرتی آفات

کے سامنے بہت زیادہ غیر محفوظ بنادیا ہے۔ شہروں اور ماحولیاتی تبدیلی پر عالمی بینک کی ایک رپورٹ (ورلڈ بینک 2010) نے اندازہ لگایا ہے کہ ہندوستان میں دنیا کی دوسری سب سے بڑی آبادی (30 ملین) نچلے اور ساحلی علاقوں (ایل ای سی زیڈ) میں رہتی ہے۔ ان علاقوں پر ماحولیاتی تبدیلی کی وجہ سے سطح سمندر کے اوپر اٹھنے کا خطرہ بنا رہتا ہے۔ دوسری طرف چین میں سب سے زیادہ آبادی پر اس طرح کا خطرہ ہے جہاں 80 فیصد افراد ایل ای سی زیڈ میں رہتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہندوستان کی 70 فیصد آبادی سیلاب کے خطرے والے اور 60 فیصد آبادی زلزلہ کے خطرہ والے علاقے میں رہتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہندوستان کو دنیا میں سب سے زیادہ ممکنہ قدرتی آفات والا خطہ سمجھا جاتا ہے (یو این ڈی پی 2014)۔ شہری علاقوں میں بھیڑ بھاڑ اور حجم کی وجہ سے یہ خطرہ کچھ زیادہ ہے۔

ادارہ جاتی چیلنجز اور فزیکل پلاننگ کی روایت

ہندوستان میں شہروں کے معیار اور ممکنہ ترقی پر تین حالیہ اہم رپورٹوں میں ہندوستان کے شہری منصوبہ بندی کے لئے اہم ادارہ جاتی چیلنجز کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ رپورٹیں ہیں میک کینسی گلوبل انسٹی ٹیوٹ کی ہندوستانی شہری بیداری 2010 رپورٹ، ایچ پی ای سی کی ہندوستانی شہری انفرااسٹرکچر اور خدمات 2011 رپورٹ اور وزارت شہری ترقیات کی پائیدار سکونت پر قومی مشن رپورٹ (این ایم ایس ایچ 2010)۔ یہ تینوں رپورٹیں اس نتیجہ پر پہونچی ہیں کہ ہندوستان میں شہری منصوبہ بندی منقسم، مرکزیت اور زمین کی از کار رفتہ منصوبہ بندی پر توجہ مرکوز کرنے جیسی خامیوں سے دوچار ہیں۔ یہ تقسیم شہری ترقیات، ہاوسنگ اور انسداد غربت کا خاتمہ کی وزارتوں کے الگ الگ ہونے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔

سال 1992 میں 74 ویں آئینی ترمیم کے مقاصد کے باوجود اب تک منصوبہ سازی کے کام کی لامرکزیت یو ایل بی میں نہیں ہوسکی ہے۔ منصوبہ بندی ایک تکنیکی کام ہے جسے ریاستی منصوبہ بندی حکام اور محکمے انجام دیتے ہیں۔ ماسٹر پلان کے منصوبے بالخصوص ٹرانسپورٹ جیسے بڑے منصوبے بنیادی اہمیت حامل ہوتے ہیں۔ ریاستوں میں ان پر عمل درآمد کرانے والی ایجنسیاں زمین کے استعمال کے منصوبوں میں یا تو بہت کم سرمایہ کاری کر رہی ہیں یا کر ہی نہیں رہی ہیں۔ غریبوں کے لئے مکانات، صحت، تعلیم وغیرہ جیسے سماجی ترقیات کے منصوبے متعلقہ محکموں کے ذریعہ بنائے جاتے ہیں، جن کا ماسٹر پلان سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا ہے۔ جواہر لال نہرو نیشنل اربن رینیول

مشن (جے این این یو آر ایم) صحیح سمت میں ایک اچھا قدم ہے لیکن اسے شہری مقامی بلدیاتی اداروں کے ذریعہ لامرکوز کرنے اور مربوط منصوبہ بندی تک پہونچنے کے لئے ابھی ایک طویل سفر طے کرنا پڑے گا۔

پائیدار اور خوشحال شہروں کی منصوبہ بندی کے لئے کس طرح کے منصوبہ سازوں کی ضرورت ہے؟

اب چونکہ نئی حکومت نے ہندوستان کے لئے ایک 'اسمارٹ' شہری مستقبل کا تصور پیش کیا ہے، شاید ہمارے شہروں کے لئے ضروری فیوچر پروفنگ کی صلاحیت اور چیلنجز کو ظاہر کرنے کا یہی مناسب وقت ہے۔ یہاں اس بات پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان کے 'اسمارٹ سٹی' ماڈل یورپ اور جنوب مشرق ایشیا میں اپنائے جارہے ہائی ٹیک اوتار تک ہی محدود نہیں ہوسکتے۔ ہندوستان کے لئے ایک 'اسمارٹ' شہری مستقبل کو تکنیکی طور پر ایڈوانس، سماجی طور پر جامع اور اقتصادی طور پر ہمہ جہت ہونا چاہئے۔

عام بمقابلہ ماہرین

اہم سوال یہ ہے کہ ایسے پیچیدہ کام کے لئے کس طرح کی منصوبہ سازوں کی ضرورت ہے اور کس طرح کے منصوبے بنائے جانے چاہئیں۔ حالانکہ موخر الذکر موضوع بات چیت کے لئے اہم ہے لیکن ہم اس مضمون میں پہلے موضوع پر روشنی ڈالیں گے۔ ہندوستان میں منصوبہ بندی کی تعلیم کا آغاز برطانوی اور امریکی ٹاون اور کنٹری پلاننگ ایجوکیشن سے ہوا ہے، اور یہ ہمیشہ ہی عام بمقابلہ ماہرین کی جنگ سے دوچار ہوتا رہا ہے۔

آزادی کے بعد جب پہلے ٹاون پلاننگ ایکٹ نافذ کئے گئے تھے، تب منصوبہ سازوں کا رول ریاستی اور شہری سطح کے پلاننگ حکام کے طور پر زمین کے استعمال، جیسے شہر، ذیلی شہر اور زونل سطح پر ماسٹر پلان کہا جاتا تھا، کی تیاریوں تک ہی محدود تھا۔ منصوبہ سازوں کو ایک تکنیکی ماہر کے طور پر دیکھا جاتا تھا جسے ملٹی سیکٹورل فریقین اور نافذ کرنے والی ایجنسیوں کو اس طرح کے منصوبوں کو سمجھانے کی صلاحیت کی تربیت دی جاتی تھی۔ ہم ان کے اس رول کو 'جنرلسٹ لینڈ یوز پلانر' کہتے ہیں۔ جب تک 1991 کی لبرلائز اکنامی پالیسی نہیں آئی تھی، شہری منصوبہ بندی کا کام خاص طور پر ریاستی ایجنسیوں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن لبرلائزیشن کے بعد عوامی کاموں بالخصوص ہاوسنگ اور لینڈ ڈیولپمنٹ جیسے کاموں سے ان کے پیچھے ہٹ جانے کے بعد اس میں دیگر فریقین کے لئے بھی بہت بڑا راستہ کھل گیا۔ پرائیوٹ پراپرٹی ڈیولپرس، پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ، بین الاقوامی ریئل اسٹیٹ کمپنیاں، پیشہ ور مشیروں، سنگل ونڈو انڈسٹریل ڈیولپمنٹ ایجنسیوں، پرائیوٹ سروس اور انفرااسٹرکچر فراہم کرنے والوں اور سول سوسائٹی سے وابستہ ادارے مثلاً این جی اور بین الاقوامی این جی او شہری ترقیات کے حصہ داروں میں شامل ہیں، جو منصوبہ سازوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام فریقین شہری ترقیات کی سمت میں کام کررہے ہیں۔ اس کے باوجود اب بھی سرکاری منصوبہ بندی ایجنسیاں ہی پانچ تا دس سالہ ماسٹر پلان تیار کرتی ہیں۔ زمین کے استعمال کی منصوبہ بندی کا یہ طریقہ دنیا کے بہت سارے لبرلائزڈ ممالک مثلاً برطانیہ اور نیدرلینڈ نے بہت پہلے ترک کردیا ہے۔ اس کی جگہ فزیکل ڈیولپمنٹ کے لئے اسٹریٹیجک اور ملٹی سیکٹورل منصوبے تیار کئے جارہے ہیں۔ پرائیوٹ زمین مالکان/ڈیولپرس یو ایل بی کے ساتھ پروجیکٹ کی بنیاد پر معاملہ طے کرکے فزیکل پلاننگ کرتے ہیں۔ اس طرح کے ملٹی سیکٹورل اور انٹرڈسپلینری سسٹم میں صرف منصوبہ سازی ہی 'اسٹریٹیجک پلانرز' سے لے کر 'ٹیکنیکل پروفیشنل پلانرز'، 'پروجیکٹ پلانرز' سے لے کر 'اربن منیجر' اور 'ایڈوکیسی پلانرز' تک الگ الگ رول ادا کرتے ہیں جو سماج کے کمزور ترین کے مفادات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ریاست، مارکیٹ اور سول سوسائٹی پلانرس

74ویں آئینی ترمیمی قانون 1992 (سی سی اے) کا مقصد شہری منصوبہ بندی کے کاموں کو، شہری بلدیاتی اداروں کے سب سے نچلی سطح، جسے تھرڈ ٹیئر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، تک لامرکوز کرنا ہے۔ اس 74 ویں آئینی ترمیم کے تحت آئین کے بارہویں شیڈول میں جن کاموں کو لامرکزیت کرنے کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے، شہری منصوبہ سازی ان میں سے ایک ہے۔ اس کے نتیجے میں ریاستی حکومتوں نے سی سی اے کو جزوی طور پر ہی نافذ کیا جب کہ اس میں کسی طرح کے مالی اختیارات تفویض نہیں کئے گئے۔ شہری بلدیاتی اداروں کی صلاحیت کو مستحکم کرنے کے لئے جے این این یو آر ایم اور دیگر پروگرام صحیح سمت میں ایک قدم ہے لیکن بیشتر یو ایل بی کے پاس اب بھی پلانگ انڈرٹیکنگ کو بڑے پیمانے پر لانے کے لئے انسانی وسائل کی کمی ہے۔ یو ایل بی کی صلاحیت کو بڑھانے کے لئے پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ ایک بہتر متبادل ہے۔ لیکن کم ریوینیو وسائل اور مالیاتی اختیارات نہیں ہونے کی وجہ سے یہ مارکیٹ میں سرگرم فریقین کے لئے غیر مفید سودا بنادیتا ہے۔ تین اہم رپورٹوں کی سفارشات کے مطابق منتخب حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ منصوبہ بندی اور منصوبہ بندی کی ذمہ داری کو جلد سے جلد نچلی سطح تک لانے کے لئے ادارہ جاتی ڈھانچہ کی تشکیل نو کرے۔

سال 2011 کی مردم شماری کے مطابق ملک میں 7000 مصدقہ قصبات، 626 اضلاع اور 6 لاکھ گاؤں ہیں۔ اگر 73ویں آئینی ترمیم (گرام پنچایتوں کے کاموں کی لامرکزیت سے متعلق) اور 74ویں آئینی ترمیم کو پوری طرح نافذ کیا جائے تو ہر شہری بلدیاتی ادارہ کے ساتھ ساتھ سرکاری سطح پر بھی منصوبہ سازوں کی ضرورت سمجھی جائے گی۔ اس وقت ریاستی منصوبہ بندی محکموں اور قومی منصوبہ بندی اداروں کو بھی پیشہ ور اہل منصوبہ سازوں کی کمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف ٹاون پلانرس آف انڈیا (آئی ٹی پی آئی)، جو ہندوستان میں پیشہ ور منصوبہ سازوں کو منظوری دیتا ہے، کے مطابق 2013 میں اس کے 2899 ایسوسی ایٹ ممبر تھے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ منصوبہ سازوں کی مجموعی تعداد زیادہ سے زیادہ پانچ

ہزار ہوگی۔اعداد وشمار کی بات کی جائے تو فی ایک لاکھ شہری افراد پر صرف 1.32 منصوبہ ساز ہیں۔اس انتہائی کم ترین تعداد کا موازنہ افریقہ کے سب سے غریب ممالک یوگانڈا، مالی اور تنزانیہ کے ساتھ کیا جاسکتا ہے (یو این ہیبیٹاٹ 2013)۔ برطانیہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں فی ایک لاکھ شہریوں پر 37.63 منصوبہ ساز ہوتے ہیں (یو این ہیبیٹاٹ 2013)۔جیسا کہ واضح ہے ملک میں مختلف سطحوں پر ریاستی ادارہ جاتی ڈھانچے کی زبردست کمی ہے۔

شہروں کو بہتر طور پر چلانے کے لئے ایک اہم پہلو منصوبوں کو نافذ کرنا اور ان پر نگاہ رکھنا ہے۔مینجمنٹ کے اس پہلو پر ایچ پی ای سی کی رپورٹ میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شہری مینجمنٹ ماہرین کو قومی سطح کے چار اسکول آف اربن مینجمنٹ میں تربیت دینے پر زور دیا گیا ہے۔شہری مینیجروں کا اہم رول خدمات کی ترسیل کرنے والی ایجنسیوں، پرائیوٹ انفرااسٹرکچر فراہم کرنے والوں اور سول سوسائٹی کی تنظیموں کے درمیان تال میل اور تعاون پر مرکوز کیا جائے گا۔'اسمارٹ شہروں' میں شہری مینیجروں کا رول مزید پیچیدہ ہوجائے گا اگر موجودہ شہروں میں تکنیکی ڈھانچے کے اعلی معیار کو فزیکلی اور ادارہ جاتی طور پر مربوط کردیا جائے گا۔

بہر حال منصوبہ سازوں کو صرف سرکاری اداروں میں ملازم نہیں رکھا جائے گا بلکہ انہیں کام کرنے کے سب سے زیادہ پسندیدہ ماحول والے پرائیوٹ اداروں میں رکھا جاسکتا ہے۔شہری منصوبہ بندی اور ترقی اور بالخصوص ریئل اسٹیٹ اور انفرااسٹرکچر میں پبلک پرائیوٹ پارٹنرشپ اور پرائیوٹ سرمایہ کاروں کی سرگرم شمولیت کی وجہ سے منصوبہ سازی کرنے والے پیشہ ور افراد بہت قیمتی ہوگئے ہیں۔پرائیوٹ سیکٹر کی اس بڑھتی ہوئی مانگ کے مدنظر مالی وسائل کی کمی سے دوچار یو ایل بی کو اس شعبہ میں بہترین انسانی وسائل کے لئے مقابلہ کرنا مشکل ہوگا۔اس کے دو مضمرات ہوں گے پہلا منصوبہ سازوں کی تعداد کے متعلق ہے، جنہیں تربیت دینے کی ضرورت ہوتی ہے تاہم سب سے اہم منصوبہ سازوں کی نوعیت ہے۔

منصوبہ سازوں کے روایتی رول یعنی فزیکل پلاننگ اور زمین کے استعمال میں ان کی خدمات سے ہٹ کر ان کے پروفیشنل رول کو جلد سے جلد دیکھنے کی ضرورت ہے۔زمین کا مربوط استعمال اور انفرااسٹرکچر پلاننگ کے سلسلے میں منصوبہ سازوں کے لئے بین تنظیمی تال میل رکھتے ہوئے علم اور ہنر کے ساتھ ساتھ مالی اور انتظامی پہلوؤں کی معلومات رکھنا ایک مشکل کام ہے۔بالخصوص جب منصوبہ بندی کا نظریہ طویل مدتی اور بڑے پیمانے پر منصوبہ بندی کے برخلاف ہو۔خواہ ان منصوبہ سازوں نے روزگار کے اس سیکٹر کو اپنی پسند سے منتخب کیا ہو۔پبلک پلاننگ اور بازار میں سرمایہ کاری کے مواقع کے لحاظ سے رہائشی سیکٹر ایک ابھرتا ہوا ترجیحی شعبہ ہے۔جیسا کہ ایم جی آئی کی رپورٹ میں امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر ملک میں رہائشی خلیج کو کم کرنا ہے تو اس کے لئے پروفیشنل اور مالی دونوں طرح کے وسائل کی ضرورت ہوگی۔

منصوبہ بندی کے پیشہ کو سماج کی عمومی فلاح کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔گو کہ دانشور طبقہ اس موضوع پر تفصیلی بحث و مباحثہ میں مصروف ہے کہ نرم کاری کے دور کے بعد عمومی فلاح کا مفہوم کیا ہے ، اس میں دو رائے نہیں کہ منصوبہ بندی میں قدروں اور اخلاقی ذمہ داریوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔آنے والے برسوں میں ہندوستان میں پلاننگ ایجوکیشن کی ذمہ داری ایسے پیشہ ور افراد تیار کرنے کی ہے جو عمومی فلاح کے نظریے کے مدنظر رکھتے ہوئے ایسے 'اسمارٹ' شہری مستقبل کو حقیقت میں تبدیل کرسکیں جو صرف چند ایک کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک لئے 'اسمارٹ' ہوں۔

عدم مساوات اور محدود وسائل والی ابھرتی ہوئی معیشت میں سول سوسائٹی تنظیموں کا رول کافی اہم ہے۔جیسا کہ اسے تھرڈ سیکٹر کہا جاتا ہے، یہ انتظامیہ کے رسمی نیٹ ورک کے باہر خدمات کی فراہمی کے فرق کو کم کرنے کے ساتھ ساتھ ان رسمی نیٹ ورکوں میں محروم رہ جانے والے افراد کے مفادات کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔اطلاعات کا حق قانون اور مفاد عامہ کی عرضی دو ایسے ذرائع ہیں جو حکومت سے شفافیت کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ مخصوص گروپوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے سول سوسائٹی کے ذریعہ سب سے زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں۔اس طرح کی تنظیموں کے ساتھ کام کرنے والے منصوبہ ساز'ایڈوکیسی پلانرز' کا کام کرتے ہیں۔جو سماج میں اخلاقی اور قدروں پر مبنی اصولوں کے امین ہوتے ہیں۔وہ سماج کے ان مختلف طبقات کے حقوق او رمفادات کی بات کرتے ہیں، جو رسمی نیٹ ورک سے بے دخل ہوکر کنارے پر لگادئے گئے ہوتے ہیں۔اس طرح ہمارے شہروں میں موجود عدم مساوات اور عدم یکسانیت کے مدنظر 'اسمارٹ' شہری مستقبل کے لئے مارکیٹ اور سول سوسائٹی کو مشترکہ طور پر سرگرم ہوکر منصوبہ بندی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں منصوبہ بندی کی تعلیم کا معیار

ہندوستان میں ٹاون پلاننگ ایجوکیشن کا آغاز 1950 کی دہائی کے وسط میں ہوا۔یہ ماسٹر ڈگری اس کے مساوی تھا، جو آرکیٹکٹوں، انجینئروں اور بعد میں جغرافیہ، اکنامکس اور سوشیالوجی میں پوسٹ گریجویٹ طلبہ کے لئے تھا۔بیچلر آف پلاننگ (بی پلان) کورس کا آغاز کوئی 25 برس پہلے ہوا۔اس وقت 18 ادارے ماسٹر آف پلاننگ اور 8 دیگر ادارے بیچلر آف پلاننگ کا کورس کراتے ہیں۔ان 18 اداروں میں بی پلان کے 200 اور ماسٹر آف پلاننگ کے 500 سیٹ دستیاب ہیں۔ماسٹر آف پلاننگ میں اربن اور ریجنل، ٹرانسپورٹ،

ہاؤسنگ، انفرااسٹرکچر اور انوائرنمنٹل پلاننگ جیسے مضامین میں اسپیشلائزیشن کرائی جاتی ہے۔ اس وقت ہندوستان میں 5000 منصوبہ ساز موجود ہیں جب کہ 2031 تک ایک لاکھ 60 ہزار منصوبہ سازوں کی ضرورت پڑے گی (ٹاون پلاننگ اور آرکیٹکچر برائے تعلیمی پالیسی پر ماہرین کمیٹی کی رپورٹ 2011، جس کی صدارت مسٹر ای ایم این ریبیر یونے کی تھی)۔ اس طرح ہندوستان کو اگلے بیس برس تک سالانہ اوسطاً 8000 منصوبہ سازوں کی ضرورت پڑے گی۔

انسٹی ٹیوٹ آف ٹاون پلانرس آف انڈیا نے پلاننگ میں ماسٹر اور بیچلر ڈگری کے لئے ایک ماڈل نصاب تیار کیا ہے۔ بیچلر آف پلاننگ چار سالہ پروگرام ہے جس میں 40 مختلف موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے، جو مختلف ماحول میں کام کرنے والے منصوبہ سازوں کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم اس پروگرام کا عملی عنصر اب بھی خاص طور پر فزیکل پلاننگ پر مرکوز ہے۔ اسپیشلائز ماسٹر / ایم ٹیک کے نصاب میں مختلف مضامین کے گریجویٹس کو داخلہ ملتا ہے اور انہیں منصوبہ بندی کے فیلڈ میں دوسالہ اسپیشلائزیشن کورس کرایا جاتا ہے۔

ایک اور قابل ذکر پہلو ہے۔ پروگراموں میں ہنرمندی کا توازن۔ گوکہ بیچلر اور ماسٹر ڈگری پروگرام اس طرح تیار کئے گئے ہیں کہ ان میں مسائل پر مبنی حل سیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حقیقی زندگی سے متعلق پروجیکٹوں پر کام کرایا جاتا ہے نیز عملی تجربہ کے ذریعہ سیکھنے پر زور دیا جاتا ہے لیکن بنیادی پڑھائی تھیوریٹیکل معلومات پر ہی مرکوز ہے۔ منصوبہ بندی کی تعلیم کے ہنرمندی کے پہلو پر ازسرنو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بالخصوص اس پس منظر میں کہ ایسے منصوبہ سازوں کی بہت بڑی تعداد میں مانگ ہوگی جو شہری مقامی بلدیاتی اداروں کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔

یہ سوال بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا اس پیشہ میں انسانی وسائل میں اضافہ کرنے کے لئے صرف یونیورسٹی سطح کی تعلیم ہی واحد ذریعہ ہے۔ منصوبہ سازی کے اداروں میں پہلے سے ہی کام کرنے والے پروفیشنلس کے لئے ووکیشنل ایجوکیشن اور مراسلاتی تعلیمی پروگرام بھی وسائل کی فراہمی اور وسائل میں اضافہ کرنے میں معاون ثابت ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ناروے یونیورسٹی سطح پر پلاننگ ایجوکیشن دی جاتی ہے اسے ٹرشیئری ووکیشنل اسکول کہتے ہیں، جو ہندوستان میں ٹیکنیکل پولی ٹیکنک کے مساوی ہیں۔

اگلا قدم: 'اسمارٹ' شہری مستقبل کے لئے پلاننگ ایجوکیشن کے سلسلے میں اہم اقدامات

خلاصہ کے طور پر ہم نے ان اہم طریقہ کار کی نشاندہی کی ہے جنہیں ہندوستان میں پلاننگ ایجوکیشن کے سلسلے میں رہنما اصول کہا جاسکتا ہے۔

1۔ زیادہ سے زیادہ شہری منصوبہ ساز ہوں۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں جو منصوبہ ساز تیار کئے جارہے ہیں ان کی تعداد میں مانگ کے مطابق اضافہ کرنا ہوگا۔ یہ تعلیمی ادارے نجی اور سرکاری کوئی بھی ہوسکتے ہیں لیکن انہیں معیار تعلیم پر سختی سے کاربند ہونا پڑے گا۔

2۔ ریاست، مارکیٹ اور سول سوسائٹی کے لئے منصوبہ ساز ہوں۔ یہاں ایسے تین طرح کے شعبوں کی نشاندہی کرنا ضروری ہے جن میں منصوبہ ساز الگ الگ رول میں کام کرتے ہوں۔ اسی کے مطابق پلاننگ ایجوکیشن میں تنوع لانے کی ضرورت ہے۔

3۔ شہری بلدیاتی اداروں کے ہر سطح پر منصوبہ سازوں کو تعلیم مہیا کرانا۔ 74 ویں آئینی ترمیم کے مطابق منصوبہ بندی کے کاموں کی لامرکزیت ناگزیر ہے اور تین سطحی نظام میں پلاننگ ایجوکیشن کے ذریعہ منصوبہ سازوں کو مختلف سطحوں پر ضروری ہنر کی تربیت دی جائے۔

4۔ عمومی اور خصوصی منصوبہ سازوں کے درمیان توازن قائم کرنا۔ عام اور خصوصی منصوبہ سازوں کو تربیت دینے کے لئے پلاننگ ایجوکیشن اور نصاب پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔ اس سلسلے میں اصولی بمقابلہ عملی ہنر پر مبنی تربیت پر بھی تفصیلی بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے۔

5۔ زیادہ شہری منیجرس۔ انفرااسٹرکچر کی اہمیت اور شہری ترقیات میں مختلف فریقین کی بڑھتی ہوئی شراکت کے مدنظر اہل اور موثر شہری نظم کے لئے منصوبہ بندی کا مینجمنٹ پہلو بھی ضروری ہے۔ ان رول کو ادا کرنے کیلئے خصوصی شہری منیجروں کو تربیت دینا ضروری ہے۔

6۔ فزیکل سے انٹیگریٹیڈ پلاننگ کے لئے منصوبہ سازوں کے دائرہ میں توسیع کرنا۔ زمین کے استعمال، انفرااسٹرکچر، ماحولیاتی پائیداری، سماجی ہم آہنگی، خطرات میں کمی، اقتصادی پیداواریت اور مالیاتی گوناگونی بعض ایسے پہلو ہیں جن کو حقیقی اور مستقبل کے مسائل کا سامنا کرنے کے لائق شہری منصوبہ سازی کے لئے مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔ پلاننگ ایجوکیشن کو اس پیشہ میں طریقہ کار میں تبدیلی کو فروغ دینے کے لئے آگے بڑھنا چاہئے تاکہ طویل مدتی ادارہ جاتی تبدیلی میں سہولت ہو۔

منصوبہ بندی کے پیشہ کو سماج کی عمومی فلاح کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ گوکہ دانشور طبقہ اس موضوع پر تفصیلی بحث ومباحثہ میں مصروف ہے کہ نرم کاری کے دور کے بعد عمومی فلاح کا مفہوم کیا ہے، اس میں دورائے نہیں کہ منصوبہ بندی میں قدروں اور اخلاقی ذمہ داریوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آنے والے برسوں میں ہندوستان میں پلاننگ ایجوکیشن کی ذمہ داری ایسے پیشہ ورافراد تیار کرنے کی ہے جو عمومی فلاح کے نظریے کے مدنظر رکھتے ہوئے ایسے 'اسمارٹ' شہری مستقبل کو حقیقت میں تبدیل کرسکیں جو صرف چند ایک کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک کے لئے 'اسمارٹ' ہوں۔

☆☆☆

یوجنا

آئندہ شمارے

اکتوبر 2014: روایتی شعبہ

نومبر 2014: ٹکنالوجی، اختراع اور علم پر مبنی معیشت

پر خاص ہوگا۔

گوتم بھان

مکانات سے متعلق پالیسی میں تبدیلی کے درمیان تسلسل

راجیو آواس یوجنا سے سبق

وسعت کی حد کے پیش نظر اس مضمون میں ان بہت سے کلیدی سبق میں سے تین سبق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آر اے وائی کو مکانات سے متعلق پالیسیوں کے سلسلے میں پیش کرنے ہیں۔ تاہم پالیسی مداخلتوں میں عدم تسلسل کی ایک تاریخ مکانات پر توجہ دینے کے سلسلے میں ہماری ناکامیوں کی کلیدی وجوہات میں سے ایک وجہ رہی ہے۔ آر اے وائی کسی بھی لحاظ سے کامیاب نہیں رہی ہے۔ پھر بھی جو کام کیاگیا ہے اور جو نہیں کیا گیاہے ‘س سے سیکھنا ایک ایسی اہم بحث ہے جو حلقوں کے ایک وسیع سلسلے میں ہونی چاھئے تاکہ اظہار کے فوائد کے ساتھ آگے بڑھا جائے۔

مضمون نگارانڈین انسٹی ٹیوٹ آف ھیومن سیٹلمنٹس بنگلور میں استاد ھیں۔

تبدیلی کے لمحات اظہار کرنے کے مواقع ہوتے ہیں جیسا کہ ایک نئی حکومت میں اقتدار میں آچکی ہے‘ سابقہ حکومت کی پالیسیوں کی قسمت اس لحاظ سے ادھر میں ہے کہ کون سی پالیسیاں برقرار رہیں گی اور کون سی

پالیسیوں کو کنارے لگا دیا جائے گا۔ اس مضمون میں توجہ کا مرکز اس بات پر ہے کہ اس طرح کی ایک پالیسی یعنی راجیو آواس یوجنا (آر اے وائی) تک رسائی کے لئے اس لمحے کا استعمال کیا جائے۔ اس مضمون میں نے یہ سوال کیا ہے کہ ’2020 تک سب کے لئے مکانات‘ کے سلسلے میں نئی حکومت کے مشن کے لئے راجیو آواس یوجنا نے کیا سبق چھوڑے ہیں؟

راجیو آواس یوجنا مکانات اور شہری غریبی کے خاتمے کی وزارت کا ایک اہم پروگرام تھا نیز اسی کے ساتھ ساتھ جے این این یو آر ایم کے تحت شہری غریبوں کے لئے بنیادی خدمات (بی ایس یو پی) کے پروگرام نے ہمارے شہروں میں مناسب اور معقول مکانات تک رسائی کو ہمہ گیر بنانے کے لئے سابقہ حکومت کے نظریے کے اہم زور کی نمائندگی ہے۔ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے آر اے وائی باعزم تھی۔ اس نے ’’گندی بستیوں سے پاک‘‘ شہر بنانے نیز ہمیں یہ بات زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کی

کوشش کی تھی کہ ہمیں مکان کا حق حاصل ہے۔اس میں مشتہر کردہ اور غیر مشتہر کردہ گندی بستیاں نیز ان میں رہنے والے تمام باشندے شامل تھے۔دیگر الفاظ میں شہر کی تمام بستیاں اور ان کے اندر تمام باشندے۔ یہ سلسلہ سب کے حق کو تسلیم کرنے سے شروع ہوا تھا خواہ وہ آمدنی کے لحاظ سے غریب ہو یا نہیں' شہر آئے اور اس میں رہنے نیز اس کے اندر اس کے پاس ایک مکان یا مسکن ہو۔آخر کار اس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ آمدنی کے لحاظ سے غریب باشندوں کو مکان فراہم کرنے کے خود اپنے وعدے کو برقرار رکھنے نیز مارکیٹ کو ان تک پہنچنے کے قابل نہ بنانے کے سلسلے میں مملکت ناکام رہی ہے۔

اس ضمن میں آرا ے وائی شہر کے لئے حق کی ایک خوش آئند وضاحت تھی۔اس نے اس 'آخری تاریخ' کو بالائے طاق رکھ دیا تھا جس کے تحت شہری باشندوں کو انہیں حقوق' خدمات اور استحقاق کے لئے مجاز بنائے جانے سے پہلے رہائش کے برسوں کا رسمی ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت تھی۔کوئی بھی پروگرام جس کا مقصد شمولیت پر مبنی شہر بنانا ہے' اس تمہید سے شروع ہونا چاہئے کہ تمام شہریوں کو ہمارے شہروں میں نقل مکانی کرنے نیز کام کرنے اور رہنے کا حق حاصل ہے' خواہ وہ آمدنی کے لحاظ سے غریب ہیں یا نہیں۔مملکت کا کام خواہ براہ راست اہتمام یا غیر براہ راست ضابطے کے ذریعے اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ نہ صرف ایسا کرنے کا ان کا حق ہے بلکہ بنیادی سماجی اور ہیئتی بنیادی ڈھانچے کے وقار کے ساتھ یہ کام کرنے کا امکان ہے۔ یہ عہد محض اس کے لئے نہیں ہے جسے 'غریبی کا خاتمہ' کہا جاتا ہے بلکہ یہ حقیقت میں ہمارے شہروں کے مجموعی اقتصادی اور سماجی تانے بانے کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ایک معقول سرمایہ کاری ہے جس میں شمولیت پر مبنی اور زیادہ مساویانہ ترقی کے لئے ٹھوس بنیادیں رکھی گئی ہوں نیز بامقصد طور سے غریبی سے باہر نکلنے کے لئے ایک نسل کے امکان کو اجازت دی گئی ہو۔

راجیو آواس یوجنا نے یہ مقصد حاصل کرنے کا کیسے قصد کیا ہے؟ شہر کی وسیع نقشہ سازی اور معلومات جمع کرنے کے ایک اوالعزم ٹکنولوجیکل پروجیکٹ کے سلسلے میں جائیداد کے حقوق کے ایک نظام کے بارے میں ایک معاہدہ کرنا تھا جس میں بازآبادکاری کی بجائے اسی جگہ کو بہتر بنانے نیز گہری کردہ کمیونٹی شرکت پر توجہ مرکوز کی گئی تھی۔ مرکزی حکومت پروجیکٹ کے 50 فی صد اور 80 فی صد کے درمیان اخراجات کے لئے رقم فراہم کرے گی جس کا انحصار اس شہر کے سائز پر ہوگا نیز ریاستی حکومتیں شہری مقامی ادارے (یو ایل بی) اور خود کنبے بقیہ اخراجات کے لئے رقم دیں گے۔ان میں سے ہر ایک پہلو کے لئے ایک تفصیلی جائزے کی ضرورت ہے لیکن وسعت کی حد کے پیش نظر میں اس مضمون میں راجیو آواس یوجنا سے محض تین کلیدی تصورات کا ذکر کررہا ہوں۔

(الف) 'جائیداد کا حق' وضع کرنا' (ب) بہتر بنانے کی بجائے ازسرنو ترقی اور بازآبادکاری پر زور اور کمیونٹیوں کی غیر موثر شمولیت۔

'جائیداد کا حق' کیا ہے؟

راجیو آواس یوجنا اور قابل استطاعات مکانات کی کسی بھی اسکیم کے کلیدی ضابطوں میں سے ایک ضابطہ کنبوں کو حق ملکیت کی ضمانت دیتا ہے۔آرا ے وائی میں جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے' وہ 'جائیداد کے حقوق' تھی۔ تب ہمیں یہ پوچھنا چاہئے کہ: 'جائیداد کا حق' کیا ہے؟ کیا یہ ملکیت ہے؟ فروخت کرنے اور خریدنے کا حق؟ ایک حق ملکیت؟ بے دخل نہ کئے جانے کا حق؟ کیا یہ حق لازمی طور سے انفرادی ہے؟ کیا یہ فرقے واری' امداد باہمی یا مشترکہ ہوسکتا ہے؟۔ ''جائیداد کے حقوق'' کا تعلق حق

ٹیبل 2۔ترقیاتی راستے

بہتری	☆ تمام بہتری نسبتاً چھوٹے ازسرنو ڈیزائن کے ساتھ اور ازسرنو روک کر جگہ پر کی جاتی ہے۔ ☆ مخصوص طور سے صرف خدمات اور بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنایا جاتا ہے' کنبے خود اپنے مکانات کو بہتر بناتے ہیں۔ ☆ بعض اوقات' مکانات میں چھوٹی بہتریوں (خاص طور سے مکانات کے اندر بیت الخلا بنانا) کو شامل کیا جاتا ہے۔
ازسرنو بہتری	☆ آجکل مکانات کے موجودہ ذخیرے کو مسمار کردیا جاتا ہے اور نئے مکانات کے طور پر اسے اسی جگہ پر ازسرنو بنایا جاتا ہے۔ ☆ ازسرنو بہتری اسی جگہ پر ہوسکتی ہے (اصل جگہ کے یا تو ایک حصے یا پورے رقبے کو استعمال کرکے)' یا ایک قریبی جگہ پر ہوسکتی ہے (ایک قریبی جگہ میں بلاک میں) ☆ ازسرنو بہتری سے بنیادی ڈھانچے کو بہتر تو بنایا جاتا ہے لیکن نئے سرے مکانات بنائے جاتے ہیں۔
بازآبادکاری	☆ آجکل مکانات کے موجودہ ذخیرے کو مسمار کردیا جاتا ہے اور مجاز لوگوں کو ایک نئی جگہ پر قطعات تفویض کئے جاتے ہیں۔ ☆ بستی کی اصل جگہوں سے کافی فاصلوں پر بازآبادکاری ازسرنو آباد کرنے کی جگہیں مخصوص طور سے محیطی ہیں۔

ملکیت کی ضمانت یعنی جگہ میں رہنے کے قابل ہونے کی اہلیت (بہت سے طریقوں میں آمدنی کے لحاظ سے غریب لوگوں کے لئے اتنی ہی اہم جتنی کہ ملکیت) سے کیسے ہے؟۔

پالیسی میں ماہر اقتصادیات ہرنانڈو ڈی سوٹو کے موثر کام کے بعد جائیداد کے حقوق کو اکثر ایک مخصوص شکل میں سمجھا گیا ہے: انفرادی کنبے کے حقوق ملکیت جب کہ انفرادی حقوق ملکیت یقیناً محفوظ حق ملکیت دینے کی ایک شکل ہے' یہ بات یاد رکھنا اہم ہے کہ یہ شکل بہت سی شکلوں میں صرف ایک شکل ہے۔ اگر آر اے وائی جیسے پروگراموں کا مقصد ''گندی بستیوں'' میں رہنے والے لوگوں کو بااختیار بنانا اور ان کی ترقی ہے تو انفرادی حقوق ملکیت صریحاً محفوظ حق ملکیت دینے کی ایک بہتر شکل نہیں ہیں۔ممبئی کی گندی بستیوں کی باز آبادکاری کا ماڈل (ایس آر اے) قطعی طور پر ان کثیر عالمی تجربات میں سے ایک تجربہ ہے جنہوں نے یہ دکھایا ہے کہ انفرادی حقوق ملکیت سے بھی جن سے پھنسی ہوئی زمین خالی کرالی جاتی ہے' ناگزیر طور سے غریب لوگ بے دخل ہوتے ہیں۔ایس آر اے اسکیموں کے تحت بنائے جارہے تقریباً 100,000 نئے مکانوں کے بعد اور شہر کے لئے نقل مکانی کی گرتی ہوئی شرحوں کے باوجود گزشتہ دہے میں ممبئی کی گندی بستیوں کی آبادی مشکل سے ہی منتقل ہوئی ہے۔

ایسا کیوں ہے؟ جب نئے مکانات حق ملکیت کے ساتھ تعمیر کئے جاتے ہیں تو وہ زمین اور مکانات کے ایک شدت سے ٹیڑھے میڑھے کردہ بازار میں داخل ہوتے ہیں۔کرایے اور زمین کی بڑھتی ہوئی قیمتوں سے صرف یہ بات یقینی ہوتی ہے کہ حال میں کموڈیفائی کردہ زمین کی وجہ سے بازار اپنا طریقہ اختیار کرے گا۔ بلڈوزروں کی اب سے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لازمی طور سے غریب کنبوں کے لئے ایک خراب چیز نہیں ہے۔ان کے پاس ایک ایسا اثاثہ ہے جسے وہ بیچ سکتے ہیں۔مشکل یہ ہے کہ قانونی مکان تک رسائی کے لئے داخلے کے بہت زیادہ اخراجات والی زمین کے ٹیڑھے میڑھے بازار کے پیش نظر کنبوں کو جو ملتا ہے' وہ کہیں اور مکانات کے بازار میں دوبارہ داخل ہونے کے لئے شاذونادر ہی کافی ہے۔لہٰذا ایک بار فروخت کردینے پر کنبے اکثر کہیں اور مکانات کے غیر قانونی بازار میں دوبارہ داخل ہوتے ہیں۔شمولیتی مکانات کے بارے میں ایک پروگرام کا اختتامی نتیجہ مکانات کا نیا ذخیرہ پیدا کرنا ہے جو ایک بار پھر آمدنی کے لحاظ سے غریب لوگوں کو خارج کرتا ہے۔

اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ اس کے بارے میں سوچنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ''جائیداد کے حقوق'' کے ہمارے تصور کو وسیع تر کیا جائے۔ اگر ہماری توجہ حق ملکیت کی ضمانت کی طرف منتقل ہوتی ہے تو حقوق ملکیت کے طور پر جائیداد کے انفرادی حقوق ان طریقوں میں سے محض ایک طریقہ بن جاتا ہے جہاں ہم پہنچ سکتے ہیں اور ان میں ضروری صفات بھی پیدا کرنی ہوں گی تو دوسرے طریقے کیا ہوسکتے ہیں؟ حقوق ملکیت کے اندر بھی مختلف ہیئتیں ممکن ہیں۔ انفرادی جائیداد کے حقوق ملکیت فروخت کرنے کی پابندیوں کے ساتھ دیئے جاسکتے ہیں جنہیں وقت کی ایک مدت کے لئے روکا جاسکتا ہے اور صرف آمدنی کی یکساں سطحوں والے دیگر کنبوں کو فروخت کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ انہیں ایک ایسے اہم تحفظ سے وابستہ کیا جاسکتا ہے جو کم آمدنی والے مکانات کو حقیقی طور سے قابل استطاعت رکھنے نیز کثیر مکانات خریدنے پر پابندیاں عائد کرے تاکہ انہیں ملاکر یا ان میں ترمیم کرکے ان کو مالدار خریداروں کے لئے زیادہ پرکشش نہ بنایا جائے۔ جائیداد کے حقوق کے بارے میں غور وفکر کرنے کے دیگر طریقے کے انتخاب ہوں جن کے بارے میں طویل مدتی پٹوں کے لحاظ سے خاص طور سے سوچا گیا ہو جس کی وجہ سے فروخت کرنے کے لئے ڈیولپروں یا انفرادی کنبوں کی طرف سے دباؤ کم ہوجاتا ہے۔ اجتماعی حقوق ملکیت سے بھی خاص طور سے کثیر مکانات کو یکجا کرنے کی روک کرنے کے سلسلے میں نفاذ اور نگرانی کے بہتر نظام فراہم ہوتے ہیں۔ وینزوئیلا کا فیویلا بیریو پروگرام بہتر بنانے کی ایک شکل کے طور پر اجتماعی حق ملکیت دینے کی ایک کامیاب مثال ہے جس میں غریب لوگوں کو بے دخل نہیں کرنا پڑتا ہے۔تھائی لینڈ کا بان مانکونگ پروگرام بھی ایسا ہی پروگرام ہے۔ بڑے پیمانے کے ان دونوں اقدامات سے بڑی حد تک ان ملکوں میں مکانات کی قلت میں کمی آئی ہے۔ٹیبل ایک سے پتہ چلتا ہے کہ بان مانکونگ پروگرام میں جائیدادوں کے بیشتر حقوق فرقہ واری طور پر دیئے جاتے ہیں۔ٹیبل ایک ملاحظہ کریں۔

ماخذ: کمیونٹی تنظیموں کے فروغ کا ادارہ (سی او ڈی آئی)

یہاں ایک الجھن یہ ہے کہ جس پر ہمیں غور کرنا چاہئے۔حقوق ملکیت یا تبادلوں کے سلسلے میں پابندیاں بازار پر مصنوعی رکاوٹیں بھی ہیں جن سے غلط بیانیاں پیدا ہوں گی۔انہیں کم آمدنی والے کنبوں کے ساتھ 'دوسرے درجے کے سلوک کے طور پر بھی دیکھا جاسکتا ہے جو اپنی جائیدادوں کے ساتھ کیا کریں' جو درمیانہ طبقے کے کنبے نہیں کرتے ہیں' اس سلسلے میں پابندیوں کا سامنا کرتے ہیں۔ یہاں میرا مقصد آمدنی کے لحاظ سے غریب کنبوں کو مکانات کے اسی ذخیرے میں پھانسنا نہیں ہے۔ میرا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے جب کہ غیر رسمی بستیوں اور گندی بستیوں میں موجودہ بازار منظور شدہ اور محفوظ کردہ دونوں ہونے چاہئیں۔ یہ بازار کیسے بنایا جائے' اس سلسلے میں شرائط کے بارے میں مکانات سے متعلق پالیسی کے اندر ایک بحث مباحثہ ہونا چاہئے۔اس سلسلے میں ممکنہ درمیانہ وجوہات ہیں: امداد باہمی مکانات کے ماڈل' جس کے ذریعے زیادہ تر ممبئی آباد کی جاتی ہے' سے پتہ چلتا ہے کہ ان کچھ شرائط کے اندر بازاروں کو کیسے فروغ دیا جاتا ہے جو تبادلے کی اجازت تو دیتی ہیں لیکن آمدنی کی ایک مخصوص سطح پر مکانات کے ذخیرے کو برقرار بھی رکھتی ہیں۔

آخر میں بازار کی نچلی سطح پر مکانات کا ایک قانونی ذخیرہ بنانے کے سب سے کم تلاش کردہ امکانات میں ایک امکان ہے: کرایہ۔صرف گزشتہ سال راجیو آواس

یوجنا کے ایک حصے کے طور پر کرایوں کی اجازت دی گئی تھی نیز یہ آمدنی کے لحاظ سے غریب شہری باشندوں کے لئے ممکنہ متحرک اور بازار کا سامنا کرنے والے حل کے طور پر غیر تلاش کردہ ہیں۔ آگے بڑھتے ہوئے جیسا کہ کرائے کے مکانات کے بارے میں ایم ایچ یو پی اے کمیٹی نے بھی تجویز کی ہے (حکومت ہند 2013)' کرائے کے مکانات کو قابل استطاعت مکانات سے متعلق پالیسیوں میں ایک زیادہ ٹھوس تر کردار ادا کرنا چاہئے۔

اگر آپ یہ بناتے ہیں تو کیا وہ آئیں گے؟

راجیو آواس یوجنا کے تحت نوڈل ایجنسیاں تین طریقوں سے ایک بستی تک رسائی حاصل کرسکتی ہیں: اسی جگہ پر بہتری اسی جگہ پر از سرنو بہتری اور باز آبادکاری۔ ٹیبل 2 میں ان تین ترقیاتی طریقوں کو مختصر طور سے دیکھایا گیا ہے:

آیئے اب ہم ان علامتوں سے پتہ لگائیں جو ہم دیکھتے ہیں۔ ان نوڈل ایجنسیوں کے اندر جنہیں ریاستوں میں بی ایس یو پی اور آر اے وائی اسکیموں پر عمل درآمد کرنے کا کام دیا گیا ہے' ایک عام بات سنی جاسکتی ہے: بہت سے پروجیکٹوں میں تعمیر کردہ مکانات کے لئے قبضے کی شرح بہت کم یعنی 20 فی صد ہے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ وہ کنبے جنہیں محیطی باز آبادی جگہوں میں مکانات ملتے ہیں' اس صورت میں بھی تفویض کردہ مکانات کا قبضہ نہیں لیتے ہیں' اگر وہ ایسے نفیس بنیادی ڈھانچے کے حامل پکے مکانات ہیں جو ان کے مکانات کے ذخیرے میں نمایاں بہتریوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

دیگر بہت سی پالیسیوں کی طرح آر اے وائی میں بھی اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اسی جگہ میں بہتری کو ترجیح دی جانی چاہئے۔ اس کے بعد اسی جگہ میں از سرنو بہتری پر غور کیا جانا چاہئے۔ لیکن بڑے شہروں میں عملاً بیشتر آر اے وائی اور بی ایس یو پی پروجیکٹ ایک جگہ سے دوسری جگہ بنائے جارہے ہیں (میں ذیل میں چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہروں کا ذکر کروں گا)۔ چناں چہ کوئی اس جگہ میں بہتری کے لئے ترجیح کو کیسے نافذ کرسکتا ہے؟ یہاں آر اے وائی اور بی ایس یو پی کو ایک نمایاں چیلنج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے نظاموں کے فقدان کی وجہ سے جن کے ذریعے اسی جگہ میں حق ملکیت کی توسیع کی جاتی ہے' وہ پالیسی کافی ناکام رہی ہے' جس کے تحت غریب باشندوں کو ٹرانسپورٹ اور روزگار کے قریب والی جگہوں پر رہنے دیا جاتا ہے۔ بہتری کی تجویز کو پیش کی گئی تھی' لیکن نگرانی کے ایسے نظاموں یا غیر ترغیباتی ڈھانچے موجود نہیں ہیں جو نوڈل ایجنسیوں کو اس بات کی وضاحت کرنے پر مجبور کریں کہ انہوں نے از سرنو بہتری یا بہتری کے مقابلے میں باز آبادکاری کو کیوں چنا۔ یہ اس پالیسی کی ایک کلیدی خامی ہے' جسے مستقبل کی پالیسیوں میں ٹھیک کیا جانا چاہئے۔

ایک زیادہ شفاف پیمانہ جس سے یہ طے کرنے میں مدد ملے گی کہ کون سا ترقیاتی طریقہ کون سی بستی کے لئے چنا جائے۔ موجودہ پالیسی ڈھانچے میں دو واضح خامیوں کے سلسلے میں اختیار کرنا ہوگا۔ پہلی خامی 'معیادی' اور غیر معیادی' بستیوں کے زمرے کے بارے میں زیادہ واضح تر ہونا چاہئے۔ بہت سے لوگوں نے اسی جگہ میں بہتری نہ کرنے اور باز آبادکاری کو چننے کے لئے میعادیت کا سہارا لیا ہے۔ جب کہ اس بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بستیوں کا ایک مخصوص فی صد فی الواقع غیر معیادی ہے' تاہم حکایتی ثبوت سے پتہ چلتا ہے کہ میعادیت کے زمرے اور اس کے بے قاعدہ اقدامات کی وجہ سے اسے قیمتی مرکزی شہری مقامات اسی جگہ میں بہتر کرنے سے بچنے کے طریقوں کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ آیئے ہم ایک مثال لیں۔ اگر ایک بستی ایک کھلے نالے کے قریب واقع ہے' جس کی وجہ سے وہاں سیلاب آنے کا خطرہ رہتا ہے تو اس سلسلے میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس بستی نے اس سے پہلے سیلاب کا مقابلہ کیسے کیا ہے' جس کی وجہ سے وہ لوگ وہیں رہ رہے ہیں؟ دوسرا یہ کہ کیا مثال کے طور پر ایک سیدھا سادہ پشتہ بنا کر سیلاب کا خطرہ اور اس کے نتائج کو کم کیا جاسکتا ہے؟ تیسرا یہ کہ ہم ایک 'محفوظ تر' لیکن زیادہ دور جگہ میں روزگار کے نقصان کے خطرے کے مقابلے میں یہ خطرہ برداشت کرنے کے نقصان اور فائدے کا کیسے اندازہ لگاتے ہیں؟۔

دوسری تبدیلی جو ضروری ہے' منصوبہ بندی' قوانین' ضابطوں اور طریقوں میں ان تبدیلیوں کو سنجیدگی سے لینا ہے جن سے زمین کی مالک ایجنسیاں اور نوڈل ایجنسیاں دونوں اس بات کو یقینی بنانے کے قابل ہوسکیں گی کہ اسی جگہ میں بہتری کا تعلق محفوظ حق ملکیت سے ہے۔ اس وقت آر اے وائی اسی شکل میں نامکمل ہے کیوں کہ اس میں ان ادارہ جاتی نظاموں کو اہمیت نہیں دی گئی ہے جنہیں بہتری کو یقینی بنانے کے لئے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے' تنہا نوڈل ایجنسیاں ضروری ہیں لیکن کام کرنے کے سلسلے میں تن تنہا وہ کافی نہیں ہیں۔ اس سے مکانات سے متعلق بیشتر پالیسیوں کی تشکیل کے سلسلے میں بہت زیادہ طرف داری کا پتہ چلتا ہے یعنی اس کے قانونی' اقتصادی اور سماجی کاموں نیز پہلوؤں کے بجائے تعمیر کردہ مکانات پر توجہ مرکوز کرنا۔

آخر میں اسی جگہ میں بہتری پر از سرنو زور اسی جگہ دیا جانا چاہئے جہاں یہ پہلے سے دیا جارہا ہے اور زیادہ قابل عمل ہے یعنی چھوٹے اور درمیانہ شہری مرکزوں میں۔ آر اے وائی کے سلسلے میں کلیدی ناکامیوں میں سے ایک ناکامی یہ ہے کہ اس میں میٹروپولیٹن شہروں میں اس کی کارکردگی پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے نیز اس کی کارکردگی سے اس کے بارے میں اندازہ لگایا جاتا ہے۔ یہاں جارحانہ اور کثیر متعلقین زمین کی بہت متحرک مارکیٹوں سے ملتے ہیں جو متعدد پالیسی اقدامات کو مشکل بنا دیتی ہیں۔ تاہم

چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہر ڈیزائن کا تجربہ کرنے، اسی جگہ میں بہتری کرنے نیز بازآبادکاری کے سلسلے میں بھی بہتر نقل وحرکت اور رسائی کی منصوبہ بندی کرنے کے سلسلے میں بہت زیادہ لچک داری کے امکانات کے حامل ہیں۔ ایک چھوٹے سے اندازہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام پہلے ہی سے ہورہا ہے۔ آیئے ہم کرناٹک میں گلبرگہ کی مثال لیں۔ آر اے وائی اور بی ایس یو پی کے تحت کل 37 بستیوں کی نشاندہی کی جاچکی ہے۔ ان میں سے گیارہ بستیوں کو بہتر بنایا جارہا ہے، 19 بستیوں کو اسی جگہ میں ازسرنو بہتر بنایا جارہا ہے اور صرف بستیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ قائم کیا جارہا ہے۔ چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہری مرکزوں کے بہت مختلف سیاق وسباق کے ساتھ ساتھ بڑے شہروں میں کام کرنے کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا متعدد وجوہات سے ایک غلطی ہوسکتا ہے۔ کیا چھوٹے اور درمیانہ سائز کے شہری مرکزوں کے لئے مکانات کی ایک آزاد مستقل پالیسی تیار کرنے کے سلسلے میں ایک نئے پالیسی نمونے کا وقت آگیا ہے جسے زمین کی ڈیولپمنٹ اور درمیانہ مدتی منصوبہ بندی کے ساتھ زیادہ مضبوط تر رابطوں سے یکجا کیا جاسکتا ہے۔

کمیونیٹیاں اب بھی پیروی کیوں کرتی ہیں، رہنمائی کیوں نہیں کرتی ہیں؟

مذکورہ بالا تنقیدوں نیز ان مسائل کے جزوی طور سے ایک اتفاقی عنصر میں جن پر انہوں نے غور کیا ہے، مضمر وہ بہت محدود کردار ہے جو کمیونٹیاں مکانات سے متعلق پالیسی پر عمل درآمد کرنے کے سلسلے میں ادا کررہی ہیں۔ مکانات سے متعلق پالیسی میں مکانات کی قلت سے نمٹنے کے سلسلے میں کمیونٹیوں کے کردار کا زیادہ سے زیادہ اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ اعتراف مختلف لحاظ سے کیا گیا ہے۔ ایک طرف حقوق اور کمزوریوں کا اعتراف نیز دوسری طرف روک دیئے گئے پروجیکٹوں کا ڈر۔ اس مضمون میں ہماری تشویش کے لحاظ سے بغیر مکانات سے متعلق پالیسی میں اس بات کا صریحی طور سے اعتراف کیا جاتا ہے نیز مکانات سے متعلق کسی بھی مختلف مرحلوں پر رہنما خطوط، ضروریات، ساز وسامان، نمونوں اور ورکشاپوں میں کمیونٹی کی شرکت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تاہم ادارہ جاتی ڈھانچوں کے وجود سے ہمیشہ پروجیکٹوں کو آگے بڑھانے کے مواقع پر زیادہ موثر شرکت حاصل کرنے کا امکان رہتا ہے۔

اس حصے میں کمیونٹی شرکت کے بارے میں ازسرنو سوچنے کے بہت سے ممکنہ طریقوں میں سے صرف ایک طریقہ تجویز کررہا ہوں یعنی کمیونٹی پر مبنی مفصل پروجیکٹ رپورٹوں (ڈی پی آر) کی اجازت دینا۔ ڈی پی آر مکانات سے متعلق بیشتر پالیسیوں کے تحت منظور کردہ پروجیکٹوں کی بنیاد ہیں جن میں جے این این یو آر ایم اور آر اے وائی بی شامل ہیں۔ خواہ آر اے وائی جیسی مخصوص پالیسیاں برقرار رہتی ہیں یا حکومتوں میں بدلتی رہتی ہیں، ڈی پی آر آنے والے کچھ عرصے کے لئے مکانات سے متعلق پالیسی کے سلسلے میں کام اور عمل درآمد کی بنیادی یونٹ رہے گی۔ ڈی پی اے آر دو کلیدی وجوہات سے کمیونٹی ایجنسی کے اشد ضروری ہونے کے لئے خاص طور سے موزوں ہے۔ پہلی وجہ ڈی پی آر کو جامع کمیونٹی شمولیت کے لئے مناسب طور سے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ ایک مخصوص ''گندی بستی' قریبی' ایک دوسرے سے جڑی ہوئی بستیوں کے ایک سیٹ کے لئے یا بازآبادکاری کی ایک واحد جگہ کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ دوسری وجہ اس میں ترقیاتی طریقے کے بارے میں ایک فیصلہ شامل ہوتا ہے جس سے جیسا کہ میں نے اوپر بحث کی ہے، ایک بستی میں مداخلت کرنے کے سلسلے میں اختیار کئے جانے والے طریقے کا تعین ہوتا ہے۔ چناں چہ اس میں اسی کے اندر انتہائی اہم فیصلہ شامل ہوتا ہے جو ایک کمیونٹی کی قسمت کو اثرانداز کرتا ہے۔

ڈی پی آر کی تیاریوں میں کمیونٹی ایجنسی کی شمولیت میں اضافہ کرنے کے لئے فوری طور سے دو امکانات دستیاب ہیں۔ پہلا امکان اس 'مشیر' کے تصویر کو وسیع تر کرنا ہے جس کی خدمات ڈی پی آر تیار کرنے کے لئے ریاستی نوڈل ایجنسیوں کے ذریعے عام طور سے معاوضاً حاصل کی جاتی ہیں۔ اگر کمیونٹیاں ڈی پی آر تیار کرنے کے لئے کھلی بولیاں لگوانا چاہتی بھی ہیں تو اس طرح کی بولیوں میں اہل ہونے کے لئے کچھ ہی کمیونٹیاں ادارہ جاتی جواز کی حامل ہوں گی۔ ڈی پی آر تیار کرنے کے لئے بولی لگانے والے کمیونٹی اداکاروں کو مجاز ہونے کے معیار کا ایک علاحدہ سیٹ دیا جانا چاہئے۔ دوا امکان، اس طرح کے اداکاروں کو تب مثال کے طور پر ایک اتحاد کی تعمیر کے ذریعے یا ہدایت کردہ تکنیکی اور علمی مہارت کے ذریعہ امداد کا ایک سیٹ دیا جانا چاہئے۔

دوسرے امکان کے سلسلے میں ڈی پی آر تیار کرنے والے تمام مشیروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ کمیونٹی کے باشندوں اور ایسوسی ایشن کی ایک نمائندہ فیڈریشن کے ساتھ ساجھے داری میں یہ کام کریں۔ اس کے لئے بلاشبہ مشیر اور کمیونٹی دونوں کے ذریعہ وقت اور وسائل دونوں لگانے کی ایک مختلف شکل کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ کمیونٹی کی موثر شمولیت کے لئے ضروری ایک ادارہ جاتی عمل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنا اہم ہے کہ یہ ایک پروجیکٹ کی تیاری میں شرکت ہے نہ کہ ایک پہلے سے تیار کردہ اس نظریے کے بارے میں مشورہ جو کہ معیار ہے۔

اختتام

وسعت کی حد کے پیش نظر اس مضمون میں ان بہت سے کلیدی سبق میں سے تین سبق کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو آر اے وائی کو مکانات سے متعلق پالیسیوں کے سلسلے میں پیش کرنے ہیں۔ تاہم پالیسی مداخلتوں میں عدم تسلسل کی ایک تاریخ مکانات پر توجہ دینے کے سلسلے میں ہماری ناکامیوں کی کلیدی وجوہات میں سے ایک وجہ رہی ہے۔ آر اے وائی کسی بھی لحاظ سے کامیاب نہیں رہی ہے۔ پھر بھی جو کام کیا گیا ہے اور جو نہیں کیا گیا ہے، اس سے سیکھنا ایک ایسی اہم بحث ہے جو حلقوں کے ایک وسیع سلسلے میں ہونی چاہئے تاکہ اظہار کے فوائد کے ساتھ آگے بڑھا جائے۔

☆☆☆

کفایت اللہ

اساتذہ کا کردار

اوران کے درپیش مسائل

مفکرین اوردانشوران کے نزدیک معاشرے میں استاد کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کہتے ہیں اگر زندگی میں استاد نہ ہوتو درس ممکن نہیں۔ تدریس کا لفظی مطلب تعلیم دینے سے ہے اوراس کی بنیاد استاد رکھتا ہے۔سائنس کے اس ترقی یافتہ دور میں استاد کی اہمیت سے کسی صورت انکارنہیں کیا جاسکتا۔ہمیں اپنی زندگی کے ہرموڑ پراساتذہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔اسکولوں میں طلبہ سیکھنے اورعمل کے مراحل سے گزرتے ہیں تو اس میں بھی بنیادی کرداراستاد کا ہی ہوتا ہےاورطلبہ اپنی زندگیوں کا ایک بڑا حصہ والدین کے بجائے اساتذہ کے ساتھ گزارتے ہیں۔علم ایک ایسا بیش بہا خزانہ ہے جسے نہ تو چرایا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ استعمال کرنے سے کم ہوتا ہے۔کیونکہ علم ہی انسان کو جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکالتا ہے۔ان گمراہی کی تاریکیوں سے بچہ کو نکالنے میں استاد کی اہمیت نہایت اہم ہوتی ہے۔استاد ہی حق و باطل کی پہچان کراتا ہے۔آپ کے اندراعتماداورآپ کی سوچ میں وسعت پیدا کرتا ہے،معاشرے میں رہنے بسنے والا انسان بناتا ہے۔

اساتذہ ہی کسی قوم کا سب سے اہم سرمایہ ہوتے ہیں اوران کا احترام اورعزت ہردور میں اچھے طلبہ کا شعار رہا ہے۔استاد ہی نئی صبح کی تحریر رقم کرتے ہیں۔اساتذہ قوم کو ایک اچھے معمار تیار کر کے دیتے ہیں۔استاد کی شخصیت بچے پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔جواستاد اعلیٰ اخلاقی اور علمی خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں ان سے تعلیم حاصل کرنے والے بچے بھی بااخلاق اور ذی علم ہوتے ہیں۔جن معاشروں میں اساتذہ کا احترام کیا جاتا ہے اوران کے وقاراورمرتبے کے مطابق عزت دی جاتی ہے وہ ترقی کے زینے چڑھتے ہیں۔اساتذہ کے ہاتھوں میں مستقبل کے محقق، سائنسداں، سیاستداں اور متعدد شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین کوتعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔استاد کا مقام انتہائی اعلیٰ اور ارفع ہوتا ہے۔اساتذہ بچوں کو زیورتعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے اپنا کردارادا کرتے ہیں۔اساتذہ معاشرے میں علم کی خوشبو پھیلاتے ہوئے ناخواندگی ختم کرنے میں اپنا مثبت کردارادا کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ اساتذہ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت سے طلبا کومتاثر کریں اوران کے لئے مشعل راہ بنیں۔

دنیا کے مختلف ممالک مختلف تاریخوں میں یوم اساتذہ مناتے ہیں۔یہ ان چند عالمی دنوں میں سے ایک ہے جس کی اپنی ایک خاص اہمیت اورمقصد ہے۔اس دن کومنانے کا مقصد معاشرے کی سماجی،معاشی اورفکری تعمیر میں اساتذہ کے کردار کوخراج تحسین پیش کرنا ہے۔یوم اساتذہ منانے کا سب سے بڑا مقصد اساتذہ اورشاگرد دونوں کواپنی ذمہ داریاں یاددلانا ہیں۔مگرتمام ممالک میں ایک بات مشترک نظرآتی ہے کہ اساتذہ کا دن انتہائی خلوص،محبت اورعقیدت سے منایا جاتا ہےاوراس روزاس عزم کی تائید کی جاتی ہے کہ آنے والی نسل کی پرورش کے لیے بھی اساتذہ کے کلیدی کردار کی ضرورت ہے۔

ہمارے ملک ہندستان میں یوم اساتذہ 5 ستمبر کو ڈاکٹرسروپلی ڈاکٹر رادھا کرشن کی یوم پیدائش کے موقع پر منایا جاتا ہے۔سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن ایک ہندستانی فلسفی، ماہرتعلیم اورسفارت کار تھے۔سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن استاد کی حیثیت سے بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ اکثر بچے اس بات سے ناآشنا ہیں کہ یومِ اساتذہ' کے ساتھ ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن' کا کیا رشتہ ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ انہوں نے 40 سال تک بحیثیت استاذ اپنی ذمہ داریوں کوکس طرح بخوبی انجام دیااورآزاد ہندوستان کے پہلے نائب صدراور پھر دوسرے صدر بننے کے دوران اساتذہ کی فلاح و بہبود کے لئے کتنے فلاحی اقدامات اٹھائے۔ہمیں ان کی اس ناقابل فراموش خدمات کوذہن میں رکھتے ہوئے اس بات پر زور دینا چاہئے کہ یومِ اساتذہ' کوصرف تحفے وتحائف اورتقاریب تک ہی محدود نہ رہنے دیا جائے بلکہ ڈاکٹر کرشنن کومشعل راہ بنا کرخوش آئند اقدام بھی کئے جائیں۔

یوں تو ہر دور میں کوئی نہ کوئی بڑی شخصیت جنم لیتی ہے اور اس شخصیت کے کارنامے، اس کا کردار صدیوں ذہنوں پرنقش پا ہوجاتے ہیں۔۵ ستمبر کا دن بھی ایک ایسا ہی دن ہے جس دن ہندستان کی تاریخ میں ایک ایسے شخص نے اس زمین پرقدم رکھا جسے اس دن پورے ہندوستان میں یوم اساتذہ کے طور پر منا کر یاد کیا جاتا ہے۔یہی وہ دن تھا جب ہندستان میں ایک ایسی شخصیت کا جنم ہوا جس کے کام نہ صرف تعلیم کے میدان میں ہی سراہے گئے بلکہ ہندستان کے سب سے بڑے اور باوقار عہدے پر بھی فائز ہوئے۔ ڈاکٹر راھا کرشنن بحثیت ایک استاد پیشہ سے منفرد شخصیت کے مالک تھے جنہوں نے بے انتہا کامیابی اور بے شمار شہرت حاصل کی۔یہی نہیں سروپلی ڈاکٹر رادھا کرشنن ایک بہترین مفکر تھے۔ ان کے نظریات مختلف تھے،انکی سوچ اتنی گہری تھی۔وہ ہندستان کی عوام اورخاص طور پر طالبات،ان کی تعلیم کے بارے میں بڑے فکرمند رہے تھے۔ملک کی تعلیم کا مسئلہ ہو یا اس کے سدھار کا سوال ہو یا اس میں تبدیلی کا مسئلہ ہو،انہوں نے اس کام کو بخوبی انجام دینے میں اہم کردارادا کیا ہے۔ان کا خیال تھا

1245، کٹرہ حسین مرزا، فراش خانہ، دہلی، 110006

کہ اگر صحیح تعلیم حاصل کی جائے اور طلباء کو صحیح ڈھنگ سے علم سے روشناس کرایا جائے اور طالباء کو بیرونی دنیا سے روشناس کرایا جائے اور انہیں علم کے ذریعے باہر کی دنیا سے جوڑنے کی طرف خاص دھیان دینا چاہیے اور طلباء کو علم حاصل کرنے اور باصلاحیت بنانے کی کوشش کی جائے تو ملک اور سماج میں جتنی بھی برائیاں جنم لیتی ہیں انہیں تعلیم کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے۔

رادھا کرشنن گہری سوچ کے مالک تھے۔ وہ اچھی کتابوں کو طلباء کا بہترین ساتھی مانتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن خود ایک فلسفی تھے، وہ طلباء میں آزادانہ غور وفکر کی عادت پیدا کرنے کے حامل تھے۔ ان میں مشقت، جدوجہد، لگن، کچھ کر دکھانے کی تمنا جیسے جذبات تو جیسے بچپن سے ہی نمایاں ہونے لگے تھے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن نے تعلیم کے ایسے نظام پر زور دیا جس کے ذریعہ تعلیم کے بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی لاکر، تعلیم کو اتنا مضبوط کیا جائے کہ جس سے ہندستان کا مستقبل تو روشن ہو ہی ساتھ ساتھ استاد اور طلبہ کے رشتوں اور ان کی سوچ کو بھی تقویت ملے۔ وہ اساتذہ کی سوچ، ان کے ذہن، ان کی سمجھ بوجھ کو ملک کے دیگر عوام پر فوقیت دیتے تھے۔

مسائل اور ان کے حل یا اقدامات

استاد کو قوم کا معمار کہا جاتا ہے۔ استاد کا پیشہ ایسا ہے جس کا مقصد ہی انسان سازی ہے جو ایک ایسی صنعت کا درجہ رکھتا ہے جس پر تمام صفات کا ہی نہیں بلکہ ساری زندگی کا دارومدار ہے۔ معلمین کسی بھی قوم کی تعمیر وترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں استاد کے بارے میں عموماً غیر سنجیدہ قسم کی رائے رکھی جاتی ہے اور انہیں وہ مقام نہیں دیا جاتا جس کے وہ حق دار ہیں۔ استاد کی صورتحال، معاشرے اور ارباب اختیار کے رویے پر نظر ڈالی جائے تو اس باعزت عہدہ میں ہمیں بہت ساری چیزوں کا فقدان نظر آتا ہے۔

اس وقت اساتذہ کا معیار زندگی کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ آبادی کے تناسب سے اگر دیکھا جائے تو تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی کمی تعلیم کے فروغ کے لئے ایک اہم مسئلہ ہے۔ ملک میں ایسی یونیورسٹیز، کالجز اور اسکولوں کی اکثریت ہے جہاں اساتذہ کی تعداد بہت کم ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی نظر آتی ہے کہ اساتذہ گھر کے نزدیک تعلیمی اداروں میں پڑھانے کے خواہشمند ہوتے ہیں، جس سے دور دراز تعلیمی اداروں خصوصا دیہی علاقوں میں اساتذہ کی کمی نظر آتی ہے جو طلبہ وطالبات کے تعلیمی مستقبل کے لئے تشویشناک ہے۔

اساتذہ کے مسائل کیا ہیں، انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ موضوع کافی عرصہ سے زیر بحث ہے۔ تاہم یہ بات دہرا دینا لازمی ہے کہ وسائل کی عدم دستیابی اور معاشی طور پر مضبوط نہ ہونا اساتذہ کے اہم ترین بنیادی مسائل ہیں۔ جس شخص نے نسلِ نو کی تربیت کرنی اور ایک سلجھا ہوا معاشرہ پیدا کرنا ہے وہ بنیادی سہولیات سے محروم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اساتذہ میں ماضی کے اساتذہ جیسی خوبیاں نہیں ہیں۔ ہمارے اساتذہ نے ہماری تعلیم وتربیت کا بیڑہ اٹھایا تو اپنا فرض اس بھرپور طریقے سے نبھایا کہ صرف پڑھایا ہی نہیں بلکہ اخلاقی طور پر بھی مضبوط کیا۔ ہمیں صرف کتابی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اخلاقی، روحانی، جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور ہر طرح کی تربیت سے بھی ہمکنار کیا۔ زمانے کے اتار چڑھاؤ سے لے کر اپنے احتساب تک، ہماری کردار سازی میں انہوں نے اپنا پورا حق یوں ادا کیا۔ والدین کے بعد اساتذہ کو ہی یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ وہ طلباء کی کردار سازی، اعلیٰ سوچ اور شخصیت نکھارنے کیلئے رول ماڈل قرار دیے جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ترقی یافتہ معاشروں میں اساتذہ کو اعلیٰ مقام کا حقدار سمجھا گیا ہے۔ مشرق میں حکمت ودانائی کی بناء پر انہیں استاد یا گرو کہا جاتا ہے جبکہ مغرب میں اساتذہ کرام کو معقول تنخواہ ادا کی جاتی ہے تاکہ وہ فکر معاش سے بے پرواہ ہوکر اپنی صلاحیتیں قوم کے معماروں کا مستقبل سنوارنے میں وقف کرسکیں۔ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اساتذہ کی عظمت معاشرہ میں بحال ہونے سے شرح خواندگی میں اضافہ ہوتا ہے اور اساتذہ کی معاشی حالت بہتر ہوگی تو اساتذہ اپنے منصب پر فرائض کی انجام دہی پورے لگن سے کریں گے جس سے علمی انقلاب اور ملکی ترقی کی راہیں کھلیں گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری اور نجی تعلیمی اداروں کے اساتذہ میں فرق ختم کیا جائے اور انہیں ترقی اور وسائل کے یکساں مواقع دیئے جائیں، اچھی کارکردگی پیش کرنے والے اساتذہ کی خدمات کا اعتراف کیا جائے اور ان کی مکمل حوصلہ افزائی کی جائے۔ نیز ایک ایسا کمیشن تشکیل دیا جائے جو اساتذہ کی ملازمتوں کو محفوظ اور پرکشش بنانے، ان کی تنخواہوں، ترقیوں اور دیگر مراعات کے تعین کے لئے پالیسی تیار کرے۔ اس امر کے لیے فقط سنجیدہ کوششوں اور اسی مناسبت سے معاشرے میں آگہی اور احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کم ازکم ہم اپنی اپنی سطح پر معلم کو اس کا حقیقی مقام ومرتبہ دلانے کے لئے کردار ادا کرسکیں۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے ہم اپنے معیار تعلیم کی گرتی ہوئی شبیہ کو بھی بحال کرا اور اپنے نظام تعلیم کو درست خطوط پر استوار کرکے ایک معیاری اور مثالی ڈھانچے کی جانب واپس لوٹ سکتے ہیں اور یہی "یوم اساتذہ" کا پیغام بھی ہے۔

تعلیم وتربیت کے شعبے میں بنیادی تبدیلی کے منصوبہ ایک بنیادی عمل ہے جو ملک کی ضرورتوں، اعلی اہداف اور انسانی وسائل کے مطابق یقینی طور پر پورا کیا جانا چاہئے اور انجام تک پہنچنا چاہئے۔ معلم فروغ علم کا ذریعہ ہے۔ نظام تعلیم میں استاد کو مرکزی مقام حاصل ہے۔ معلم کی ذات ہی علمی ارتقا سے وابستہ ہے۔ نئی نسل کے مستقبل کی تعمیر کے سلسلے میں استاد کی مثال ایک کسان اور باغبان کی سی ہے۔ استاد دراصل قوم کے محافظ ہیں۔ کیونکہ آئندہ نسلوں کو سنوارنا اور انکو ملک کی خدمت کے قابل بنانا انہیں کے سپرد ہے۔ سب محنتوں سے اعلیٰ درجے کی محنت اور کارگذاریوں میں سب سے زیادہ بیش قیمت کارگذاری ملک کے معلموں کی کارگذاری ہے۔ معلم کا فرض سب فرائض سے زیادہ مشکل اور اہم ہے۔ کیونکہ تمام قسم کی اخلاقی، تمدنی اور مذہبی نیکیوں کی کلید اسکے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کی ترقی کا سرچشمہ اسکی محنت ہے۔" کسی بھی معاشرے کو سدھارنے کیلئے اساتذہ کرام کی تربیت کا کلیدی کردار ہوتا ہے اور یہ انکی مخلصانہ کاوشوں کے ہی ثمرات ہوتے ہیں جنکی بدولت کوئی بھی فرد یا قوم ترقی کی معراج کو چھو لینے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔ اساتذہ کا معاشرے میں ایک باعزت اور منفرد مقام ہوتا ہے۔ اساتذہ معاشرتی ترقی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ معاشرہ آج نہ صرف اساتذہ کا مقروض بلکہ احسان مند بھی ہے۔☆

محمد کاشف

کیریئر:

رابطہ عامہ اور اڈورٹائزنگ

آجکل ذرائع ابلاغ کے شعبہ میں روزگار کے کافی مواقع ہیں۔اس مضمون میں ہم پبلک ریلیشن اور اڈورٹائزنگ کی افادیت کے بارے میں بات کریں گے۔ رابطہ عامہ کو جرنلزم اور ماس کمیونی کیشن گریجویٹس کے لیے ایک اہم انتخاب تصور کیا جاتا ہے۔ رابطہ عامہ بلاشبہ ایک تنظیم اوراس سے متعلقہ افراد کے درمیان ایک دوسرے کو سمجھنے اور آپسی دوریوں کو قربت میں بدلنے اور باہمی طور پر بہتر ماحول پیدا کرنے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

یہ ایک تنظیم کو کھلے ماحول میں سمجھنے،اس کی افادیت کا تصور اُجاگر کرنے،اس کے معیار کی بہتری کی وضاحت کرتا ہے۔ رابطہ عامہ کو ایک انسٹرومینٹ کے بہ طور غلط فہمیوں کو دور کرنے اور انتظامیہ اور پبلک کے درمیان صحت مند ماحول کو فروغ دینے اور پبلک کی سپورٹ حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔موثر انتظامیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام میں مقبول ہو۔ایک تنظیم کی ساکھ،منافع کمانے کی صلاحیت اوراس کی بقا زیادہ تر اس امر پر منحصر ہے کہ یہ پبلک میں کتنی مقبول ہے اوراس کو مقاصد کے حصول اور پالیسیوں کے بارآور ہونے میں پبلک کی کتنی مدد حاصل ہے۔

رابطہ عامہ کے ماہرین کاروبار، نان پروفٹ ایسوسی ایشنز، یونیورسٹیز، اسپتالوں اور کارپوریٹ تنظیموں میں بہ طور وکیل خدمات انجام دیتے ہیں۔ یہ عوام کے ساتھ مثبت تعلقات قائم کرتے ہیں اور اُن کو قائم رکھتے ہیں۔ منتظمین یہ مانتے ہیں کہ ان کی تنظیم کی کامیابی کا دارو مدار عوام سے بہتر رابطے پر منحصر ہے۔لہٰذا وہ روابط عامہ کے ماہرین کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں تا کہ وہ اپنے پروگرام تشکیل دینے اور حکمت عملی طے کرنے میں ان سے مشورے لے سکیں۔ وہ تنظیمی امور کو بھی انجام دے سکتے ہیں جیسے میڈیا، پولیٹیکل روابط اور ملازمین سے بہتر رشتہ قائم کرنے میں یہ مفید ہوتے ہیں۔ رابطہ عام ازخود اپنی زبان سے تنظیم کی کامیابی کی داستان بیان کرتے ہیں۔

پبلک ریلشنز سیٹ اپ مرکزی اور ریاستی دونوں سطح پر اہم ہے۔ پریس انفارمیشن بیورو (پی آئی بی) میں انڈین انفارمیشن سروس سے آئے افراد کام کرتے ہیں اور یہ مرکزی وزارتوں کا پریس اور پبلسٹی کا زیادہ تر کام سنبھالتے ہیں۔ پرنسپل انفارمیشن آفیسر (پی آئی او) پریس نوٹس جاری کرتے ہیں۔ جرنلسٹ اور سینئر افسران اور وزیروں کے درمیان انٹرویوز کا اہتمام کرتے ہیں۔ پریس کانفرنسوں اور پریس پارٹیز کا انتظام کرتے ہیں۔ پی آئی بی عام طور پر مرکزی سرکاری پروگراموں اور پالیسیوں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ پی آئی بی سرکار کی نوڈل ایجنسی ہے جو پالیسیوں، مقاصد اور کامیابیوں سے متعلقہ اطلاعات پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا تک پہنچاتی ہے۔

ایسے ہی ریاستی اور یوٹی لیول پر ڈیپارٹمنٹ آف انفارمیشن اینڈ پبلک ریلیشنز مختلف عنوانات سے قائم ہیں اور یہ سرکاری سرگرمیوں کو شہرت دینے اور عوام میں سرکاری پلانوں اور کامیابیوں سے متعلق بیداری پیدا کرنے کا اہم کام انجام دیتے ہیں۔ یہ محکمے عوام کی رائے اور متعلقہ امور پر ان کا ردعمل بھی حاصل کرتے ہیں۔ان محکموں کے سیکشن ہیں جو پرنٹ اور الیکٹرونکس میڈیا کو دیکھتے ہیں اور فیلڈ پبلسٹی مطبوعات اور فوٹو گرافک سیل کے امور سنبھالتے ہیں۔

پی آر سے متعلقہ افراد پریس ریلیز تیار کرتے ہیں اور میڈیا کے ان افراد سے رابطہ قائم کرتے ہیں جو ان کے میٹریل کو چھاپ سکیں یا براڈ کاسٹ کرسکیں۔ بہت سی ریڈیو یا ٹیلی ویژن اسپیشل رپورٹس، نیوز پیپر اسٹوریز اور میگزین آرٹیکلز کی شروعات پبلک ریلشنز کے پیشہ ور فرد کے ڈیسک سے ہوتی ہے۔ کبھی موضوع تنظیم اور اس کی اس کے ملازمین سے متعلقہ پالیسیز ہوتی ہیں یا اس کا کمیونٹی میں رول موضوع ہوتا ہے۔ اکثر موضوع عوامی مسئلہ ہوتا ہے جیسے صحت، تعلیم، ماحولیات یا ہاؤسنگ۔ پبلک ریلیشنز آفیسر کا ایک اہم کام ملازمین اور بہت سے مختلف گروپس کے رجحان اور دلچسپی کو سمجھنا ہے۔ بات چیت

687، چاندنی محل، دریا گنج، دہلی-110002

کے ذریعہ تعطل کو توڑنا ہے۔ یہ پیشہ ور افراد کمیونٹی کے نمائندوں اور میڈیا کے درمیان رابطے کا کام انجام دیتے ہیں۔ اس کام کے تحت ان کو کمپنی انتظامیہ کو بھی اس کے ملازمین کے رجحان سے واقف رکھنا ہوتا ہے جن کے ساتھ انتظامیہ کو ڈیل کرنا ہوتا ہے۔

پی آر پروفیشنلز اس طرح کے پروگراموں کا انتظام و انعقاد بھی کرتے ہیں جن کے توسط سے تنظیم کے نمائندوں اور پبلک میں تعلقات بہتر ہوں۔ وہ پریس کانفرنسوں کا انتظام کرتے ہیں اور کمپنی کے عہدیداروں کے لیے تقریریں لکھتے ہیں۔ یونیورسٹیز میں وہ ڈرافٹ' کنوکشن خطبے اور صدارتی خطبے کے لیے عملی مواد اکٹھا کرتے ہیں۔ جن سے وائس چانسلر کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ میٹنگوں کے لیے فلمیں' سلائڈ اور دیگر ویزول پیش کش تیار کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ سالانہ رپورٹس تیار کرنے کے بھی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ پی آر او اپنی تنظیم کے نیوز لیٹرز ایڈیٹ کرتے ہیں۔ سرکاری تنظیموں میں ان کو پبلک ریلیشنز آفیسر/پریس سیکریٹری یا کمیونی کیشنز پروفیشنل کہا جاتا ہے۔

جو افراد کسی فرد کے لیے پبلسٹی کا کام انجام دیتے ہیں یا جو کسی چھوٹی تنظیم میں پبلک ریلیشنز سے متعلقہ امور کو سنبھالتے ہیں' ان کے دائرہ کار میں اس جاب سے متعلقہ تمام امور آتے ہیں' وہ پریس سے رابطہ رکھتے ہیں' وہ تقسیم کرنے کے لیے میٹریل کی پلاننگ' ریسرچ کرتے ہیں اور اس کو حتمی شکل دیتے ہیں۔ اکثر پبلک ریلیشنز آفیسرز کو دفتری اوقات کے بعد بھی کام کرنا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہ چوبیسوں گھنٹے ڈیوٹی پر ہوتے ہیں جب کوئی ایمرجنسی یا کرائسس درپیش ہوتا ہے۔

پبلک ریلیشن سے متعلقہ پیشہ ور افراد بڑے شہروں یا ضلعی صدر دفاتر میں متعین کئے جاتے ہیں جہاں پر پریس سروسز اور دیگر کمیونی کیشن سہولیات دستیاب رہتی ہیں اور بہت سی بزنس اور ٹریڈ ایسوسی ایشنز کے دفاتر ہوتے ہیں۔

اس کیریئر میں داخل ہونے کے لیے کوئی طے شدہ معیار نہیں ہے۔ ایک کالج ڈگری اور پبلک ریلیشنز سے متعلقہ تجربہ جو عام طور پر انٹرن شپ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے' اس کو پبلک ریلیشنز سے متعلقہ کام کے لیے بہترین تسلیم کیا گیا ہے۔ حقیقتاً انٹرن شپ یا ٹریننگ پلیسمنٹس ملازمت کے حصول کے لیے اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ عمدہ لکھنا اور بات چیت کرنے کے فن سے آگاہی اس سلسلے میں اہم ترین مطلوبہ اہلیت ہے۔

پبلک ریلیشنز جاب کے لیے پبلک ریلیشنز جرنلزم' ایڈورٹائزنگ یا کمیونی کیشن میں ڈگری یا پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہت سی تنظیمیں جرنلسٹوں کی تلاش میں رہتی ہیں جو اُن کے پبلک ریلیشنز سے متعلقہ امور کو سنبھال سکیں۔

کافی تعداد میں انسٹی ٹیوٹشنز پبلک ریلیشنز میں طلبہ کو پارٹ ٹائم انٹرن شپ حاصل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ وہ قیمتی تربیت اور تجربہ فراہم کرتے ہیں۔ بھارتی مسلح افواج اہلیت یافتہ افراد کی ان کے میڈیا ریلیشنز سے متعلقہ کاموں کو سنبھالنے کے لیے بھرتی کرتی ہیں۔ پبلک ریلیشنز کی جاب مارکیٹ بڑھتی جا رہی ہے۔ لیکن انٹری لیول پر مقابلہ سخت ہے کیوں کہ جابز کی دستیابی کے بہ مقابلہ اہلیت یافتہ امیدواروں کی تعداد زائد ہے۔ کام کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ امیدوار موثر طریقہ پر بات چیت کر سکتے ہوں۔ امیدواروں کے پاس مطبوعہ آرٹیکلز' ٹیلی ویژن یا ریڈیو پروگرامز' سلائڈ پیش کش اور دیگر متعلقہ سامان کا پورٹ فولیو ایک قیمتی خزانہ ہے۔ اسکول کی مطبوعات کے لیے لکھنا یا ٹیلی ویژن کے لیے تحریریں یا جز وقتی طور پر تنظیموں کے لیے کام کر کے قیمتی تجربہ حاصل ہوتا ہے' ساتھ ہی امیدواروں کو پورٹ فولیو تیار کرنے کے لیے مواد بھی حاصل ہوتا ہے۔

امیدواروں کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ پیشہ ورانہ تنظیموں سے رابطہ بنائے رکھیں جیسے پبلک ریلیشنز سوسائٹی آف انڈیا اور پبلک ریلیشنز کنسلٹینٹس ایسوسی ایشن آف انڈیا۔ پروفیشنل باڈیز سے لگاتار رابطہ سے آپ کو قیمتی نکات حاصل ہوں گے اور آپ کا تجربہ وسیع ہوگا۔ یہ آپ کو کہیں اور یا کسی اور صنعت میں حاصل ہونا مشکل ہے۔

ایڈورٹائزنگ

بھارتی ایڈورٹائزنگ صنعت نے کامیابی کے ایسے افق چھوئے ہیں جو پہلے کبھی ممکن نہ تھے۔ حالیہ برسوں میں انڈین ایڈورٹائزنگ انڈسٹری نے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کی ہے۔ بہت سی بین اقوامی طور پر معروف ایڈورٹائزنگ فرموں کے ملک میں دفاتر موجود ہیں اور ہندوستانی ایڈورٹائزنگ عالمی معیار حاصل کر چکی ہے۔ اس صنعت کے تحت بہت سے شعبے آتے ہیں جیسے 'مارکیٹنگ کمیونی کیشنز' جس میں پبلک ریلیشنز' ڈائریکٹ مارکیٹنگ اور یونٹ مینجمنٹ شامل ہیں۔ آئندہ دنوں میں ایڈورٹائزنگ کے شعبے میں نئے اور حوصلہ افزا مواقع سامنے آئیں گے۔

آج ایڈورٹائزنگ ایک آدمی کی زندگی میں ہر روز جگہ بنا رہی ہے جیسا پہلے کبھی ممکن نہ تھا۔ ایلون ٹوفلر اپنی کتاب ''فیوچر شاک'' میں کہتا ہے کہ ''کوئی چیز آج کل اتنی فعال نہیں ہے جتنی ایڈورٹائزنگ۔ ایک اندازہ کے مطابق آج ایک اوسط امریکن کو کم از کم 560 ایڈورٹائزنگ پیغامات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں 560 پیغامات میں سے 76 اس پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ 484 اشتہاری پیغامات کو نظرانداز کر کے اپنی توجہ دوسرے امور پر مرکوز کرتا ہے۔ اشتہاری پیغامات کو زیادہ موثر اور تیزی سے اثر انداز بنانے کے لیے کمیونی کیشن سے متعلقہ افراد۔ آرٹسٹس اور دیگر متعلقہ افراد لگاتار محنت کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے اور جذباتی لمحوں کو اشتہارات میں استعمال کرتے ہیں تاکہ جذباتی لمحے کا سہارا لے کر زیادہ سے زیادہ اطلاعات کی ترسیل کی جائے۔

ہمارا معاشرہ آج کل اشتہارات کے پیچھے بھاگتا ہے۔ ایڈورٹائزنگ کو سیٹلائٹ ٹیلی ویژن کے فروغ کا براہ راست ذریعہ مانا جاتا ہے۔ ٹیلی ویژن ایڈورٹائزنگ

نے پورے ساؤتھ ایشیا میں نئی مارکیٹس بنائی ہیں جو نئی مصنوعات اور بہت سی پرانی مصنوعات کو نئے انداز کے تحت بازار میں لائے ہیں۔ اس کے ذریعے سماج میں رہنے والے افراد کی توقعات وضروریات میں اضافہ ہوا ہے اور ان کے معیار زندگی میں بہتری آئی ہے۔ایڈورٹائزنگ نہ صرف اشیاء یا خدمات کو فروخت کرتی ہے بلکہ افراد کو بہتر زندگی گزارنے کے سپنے بھی بیچتی ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے کہ ان میں سے کچھ صرف سراب ثابت ہوتے ہیں اور نتیجتاً بے چینی حاصل ہوتی ہے۔

ایڈورٹائزنگ کیا ہے؟ ''سچ کو بہتر طور پر بولنا''۔ یہ میکن ایرکسن کا عالمی سلوگن ہے۔ یہ ایک خدمت فراہم کرنے والی صنعت ہے۔گاہک ادائیگی کرتا ہے اور ایڈ ایجنسی سے بتلاتا ہے کہ ''کیا کہنا ہے'' صرف ایڈورٹائزنگ ایجنسی ہی اس کو بتلاتی ہے کہ اس کے ماحصل کو ''کس طرح کہنا'' ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف ایڈورٹائزنگ اینڈ وزول پبلسٹی (ڈی اے وی پی) حکومت ہند کی بنیادی ایجنسی ہے جو مختلف وزارتوں اور سرکاری تنظیموں بہ شمول پبلک سیکٹر اداروں اور خودمختار باڈیز کے اشتہارات دیتی ہے۔ ایڈورٹائزنگ سے حکومت کا منشا ہے کہ متعلقہ موضوع کی زائد از زائد تشہیر کی جائے۔ پیغام کو مختلف اخبارات' جرائد' روزمرہ چھپنے والے پرچہ جات' ہفتہ وار' پندرہ روزہ میں شائع ہونے والے یا ماہانہ شائع ہونے والے اخبارات وغیرہ میں اس کو جگہ دی جائے۔ اخبارات و جرائد کو اشتہارات جاری کرتے وقت ڈی اے وی پی کو کسی سیاسی الحاق' جریدہ یا اخبار کی ایڈیٹوریل پالیسی پر غور کرنا چاہئے۔اس کی پالیسی فرقہ وارانہ جذبات بھڑکانے والی نہ ہو یا تشدد پر اُبھارتی ہو یا ملک کے اتحاد کے لیے خطرناک نہ ہو اور سماجی طور پر موزوں ہو۔

سرکاری اشتہارات کا مقصد کسی جریدہ/اخبار کی مالی امداد کرنا نہیں ہے۔ڈی اے وی پی کے پاس منظور شدہ جرائد/اخبارات کی ایک فہرست ہے جو اشتہارات جاری کئے جانے کے پینل میں شامل ہیں۔ڈی اے وی پی ان اخبارات و جرائد کو پینل میں شامل کرتی ہے جن کے پڑھنے والوں کی تعداد زائد ہو اور وہ سماج کے مختلف طبقات میں رسائی رکھتے ہوں اور ملک کے مختلف حصوں میں پہنچتے ہوں۔اس سلسلے میں ایلق پدمسی جو انڈین ایڈورٹائزنگ کے گاڈ فادر مانے جاتے ہیں ----- کہتے ہیں:

''آپ کس طرح ایڈورٹائزنگ کے لیے موضوع فرد کا انتخاب کریں گے؟ میں آپ کو سنہرا اصول بتانا چاہتا ہوں۔ جو شخص بھی عمدہ تصور اور آئیڈیاز رکھتا ہے' وہ ہمارے بزنس کے لیے بہتر ہے جو شخص ایک اکاؤنٹنٹ ہے اور جو صرف حقائق کے گوشوارے بنانے میں دلچسپی رکھتا ہے' اس کو نظر انداز کردیں''۔اس صنعت کے بزنس سائڈ میں کیریئر بنانے کے لیے آپ اکاؤنٹ ایگزیکیٹو میڈیا پلانر' مارکیٹ ریسرچ یا بزنس مینیجر کی اسامی کے لیے تیاری کریں۔اس کیریئر کے لیے موزوں تیاری کے لیے ایک عمیق کورس ورک ضروری ہے جو ایڈورٹائزنگ اور بزنس سے متعلقہ ہو اور اس میں مارکیٹنگ پر زور دیا گیا ہو۔

ان شعبوں میں انٹری لیول کی اسامیاں اسسٹنٹ میڈیا بائر' ریسرچ اسسٹنٹ' جونیئر اکاؤنٹنٹ ایگزیکیٹو' اکاؤنٹ سروس ٹرینی کی ہوتی ہیں۔ایڈورٹائزنگ ایجنسیز کے ریگولر جابس کے قطع نظر وہاں پر آپ کو بہت سارے مواقع ذیل کے مطابق حاصل ہوں گے۔یعنی فری لانس آرٹسٹس' فوٹو گرافرز' ریکارڈنگ اسپیشلسٹس' درحقیقت بہت سی ایڈ ایجنسیز اپنے پروڈکشن کا بہت سا کام دوسرے پروڈکشن ہاؤسیز سے کراتی ہے۔

اگر آپ سماجی خدمت سے جڑے ہوئے ہیں تو پبلک سروس ایڈورٹائزنگ آپ کے لیے ہے' پدمسی کا کہنا ہے۔اس سے پہلے کہ ہم ماس کمیونی کیشن کے لیے اپنی صلاحیت اجاگر کریں' ہم کو رویے اور ردعمل میں تبدیلی لانا چاہئے۔ہم کو اپنی صلاحیت اس طرح استعمال کرنی چاہئے کہ لوگ اپنا نظریہ بدل سکیں۔مثلاً ہم خواتین کی حالت کو ہندوستان میں بہتر کیوں نہیں بنا سکتے۔اپنی اسٹیوارڈشپ کے دوران لنٹاس نے اپنی ساکھ ایک ایجنسی کے بطور بنائی تھی جو سماجی مسائل سے جڑی تھی۔

حکومت بھی ایڈورٹائزنگ کو سماجی مسائل کے لیے استعمال کرتی ہے' اگر آپ اس شعبے میں مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور آئیڈیاز کا استعمال میڈیا کمیونی کیشن کے توسط سے کرنا چاہئے۔

جو افراد ایڈورٹائزنگ میں کیریئر بنانا چاہتے ہیں' ان کے لیے خوش خبری ہے۔ ماس کمیونی کیشن اسکالرز کا کہنا ہے کہ ایڈورٹائزنگ میں ترقی کے زبردست مواقع موجود ہیں۔بہترین کارگزاری فائدہ طے کرتی ہیں۔تخلیقی صلاحیتوں کے حامل افراد سینئر کاپی رائٹرز یا سینئر آرٹ ڈائریکٹر بن جاتے ہیں۔کچھ ترقی کرکے کریٹیو ڈائریکٹر بن سکتے ہیں جو تمام تخلیقی خدمات کا انچارج ہوتا ہے۔ بزنس کے نقطۂ نظر سے ریسرچ اسٹنٹ اور اسسٹنٹ بائرز ریسرچ ڈائریکٹرز اور میڈیا ڈائریکٹرز بننے کی توقع کرسکتے ہیں۔ایڈورٹائزنگ میں اپنا کیریئر بنانے کے خواہاں افراد ان دو کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں ---- 'اے ڈبل لائف' ایلق پدمسی اور 'دی کرافٹ آف کاپی رائٹنگ' جن اے ولادیریں۔ ان کتابوں سے آپ کو پیشہ ورانہ گہرائیوں کو سمجھنے اور کاپی رائٹنگ میں صلاحیت اجاگر کرنے میں مدد ملے گی۔ زیادہ تر ایڈورٹائزنگ ایجنسیز جرنلسٹس کی خدمات حاصل نہیں کرتی ہیں۔وہ ایسے افراد کو ترجیح دیتی ہیں جو کسی مہارت خصوصی کی حامل ڈگری رکھتے ہوں۔ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں اختراعی صلاحیت اہم ہوتی ہے۔ اس میں کاپی رائٹر' آرٹ ڈائریکٹرز' گرافک آرٹسٹس' فوٹو گرافرز اور براڈکاسٹ پروڈکشن کے ماہرین ہوتے ہیں۔انٹری لیول پر جونیئر کاپی رائٹر' کریئیٹیڈ ٹریفی' جونیئر آرٹ ڈائریکٹر اور پروڈکشن اسٹنٹ رکھے جاتے ہیں۔اگر آپ اختراعی شعبے میں کام کرنا چاہتے ہیں تو آپ اپنا ایک پورٹ فولیو تیار کریں جس میں آپ کے پیشہ ورانہ کام کے بہترین نمونے شامل ہوں۔ بہت سے مالکان جاب انٹرویو کے دوران آپ کے کام کے نمونے دیکھنا چاہیں گے۔

☆☆☆

بڑھتے قدم

ترقیاتی خبرنامہ

وزیراعظم نے ڈی آر ڈی او ایوارڈ تقسیم کیے

☆☆وزیراعظم جناب نریندر مودی نے ملک کے نوجوانوں کو دفاعی تحقیق سے متعلق سرگرمیوں میں بڑے پیمانے پر شمولیت پر زور دیا تا کہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ ہندوستان سائنس کے شعبے میں عالمی ٹیکنالوجی ترقی میں برابر رہے۔ راجدھانی دہلی میں دفاعی تحقیق اور ترقی تنظیم (ڈی آر ڈی او) ایوارڈ دینے کے بعد سینئر اور ممتاز دفاعی سائنسدانوں اور مسلح افواج کے سینئر افسران کے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم نے مشورہ دیا کہ کم از کم پانچ ڈی آر ڈی او لیب کی خصوصی طور پر 35 سال تک کے نوجوان سائنسدانوں کی طرف سے جدت کاری کیلئے شناخت کی جانی چاہیے۔ وزیراعظم نے دفاعی پروگراموں میں تیز رفتاری لانے کی اپیل کی تا کہ دنیا کی رفتار سے چلا جاسکے جہاں ٹیکنالوجی، دفاعی مصنوعات کی اہم محرک بن گئی ہے۔ وزیراعظم نے ڈی آر ڈی او کو اس بات کیلئے اُکسایا کہ وہ عالمی دفاعی برادری کیلئے کوئی ایجنڈہ طے کرے۔ انعام پانے والے سائنسدانوں کو مبارکباد دیتے ہوئے وزیراعظم نے ان کا موازنہ ان قدیم سادھوؤں سے کیا جنہوں نے وید مرتب کیے تھے۔ انہوں نے کہا کہ جس جذبے اور جس سنجیدگی کے ساتھ ہمارے ان سائنسدانوں نے اس طرح کے حساس ماحول میں کام کیا ہے اس سے ہمیں 'رشی من'، 'سادھو کا دماغ' کی یاد آتی ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ ایک خصوصی روبوٹ کمپٹیشن کا اہتمام کیا جائے جو صرف دفاعی امور کے لیے ہی وقف ہو۔

قومی فوڈ ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ کا قیام

☆☆حکومت نے 479.94 کروڑ روپے کی تخمینہ لاگت سے ہریانہ کے سونی پت ضلع کے کنڈلی میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف فوڈ ٹیکنالوجی انٹرپرینیورشپ اینڈ مینجمنٹ (این آئی این ٹی ای ایم) قائم کیا ہے۔ اس ادارے کو 8 مئی 2012 کو یونیورسٹی کے مساوی (ڈیمیڈ یونیورسٹی) قرار دیا گیا۔ این آئی ایف ٹی ای ایم یونیورسٹی نے اپنا تعلیمی پروگرام 16 اگست 2012 کو شروع کیا۔ ڈبہ بند خوراک اور صنعتوں کی وزارت کی بارہویں پنج سالہ منصوبے کے دوران ملک میں اس طرح کا کوئی ادارہ قائم کرنے کی تجویز نہیں ہے۔

کوڑا چننے والے بچوں کیلئے پری میٹرک اسکالرشپ

☆☆لوک سبھا میں ایک سوال کے تحریری جواب میں سماجی انصاف اور تفویض اختیارات کے مرکزی وزیر مملکت جناب سدرشن بھگت نے اطلاع دی کہ ناصاف پیشوں سے منسلک بچوں کو دی جانے والی مرکزی امداد یافتہ اسکیم پری میٹرک اسکالرشپ یکم مئی 2103 سے کوڑا چننے والوں کے بچوں کو بھی دی جائے گی۔

52 ممالک کے ساتھ مفاہمتی دستاویز پر دستخط

☆لوک سبھا میں سوالوں کا تحریری جواب دیتے ہوئے زراعت اور ڈبہ بند خوراک کی صنعت کے وزیر مملکت ڈاکٹر سنجیو کمار بالیان نے بتایا کہ زراعت کی وزارت نے بہتر زرعی سہولیات مہیا کرانے نیز زراعت و متعلقہ شعبوں میں اشتراک وتعاون کیلئے 52 ملکوں کے ساتھ مختلف مفاہمتی دستاویزوں اور سمجھوتوں پر دستخط کیے ہیں۔ ان میں زرعی شعبے میں تحقیق وترقی، صلاحیتوں کو بڑھاوا دینا، فصل کٹنے کے بعد کا انتظام وانصرام، خوراک کی ڈبہ بندی کرنا، پودے کی حفاظت اور دوطرفہ تجارت اہم شعبے ہیں۔

مال بھاڑے سے ریلوے کی آمدنی میں اضافہ

☆ہندوستانی ریلوے کو مال بھاڑے سے اپریل۔ جولائی 2014 کے دوران 32451.31 کروڑ روپے کی آمدنی ہوئی ہے جبکہ گزشتہ سال کی اسی مدت میں یہ آمدنی 29690.16 کروڑ روپے تھی۔ یعنی 9.30 فیصد کا اضافہ درج کیا گیا ہے۔ ریلوے نے اپریل۔ جولائی 2014 کے دوران 357.58 ملین ٹن مال کی ڈھلائی کی جبکہ گزشتہ سال کی اسی مدت میں ریلوے نے 343.00 ملین ٹن مال کی ڈھلائی کی تھی۔ اس میں 4.25 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ جولائی 2014 میں ریلوے کو 7909.354 کروڑ روپے کی آمدنی ہوئی جبکہ گزشتہ سال کی اسی مدت میں یہ آمدنی 6894.61 کروڑ تھی۔ یعنی 14.72 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

☆☆☆

RNI NO.27032/81 YOJANA (URDU) PRICE 10/=
VOL. 34 NO. 6 SEPTEMBER 2014 ANNUAL SUBSCRIPTION RS 100/=

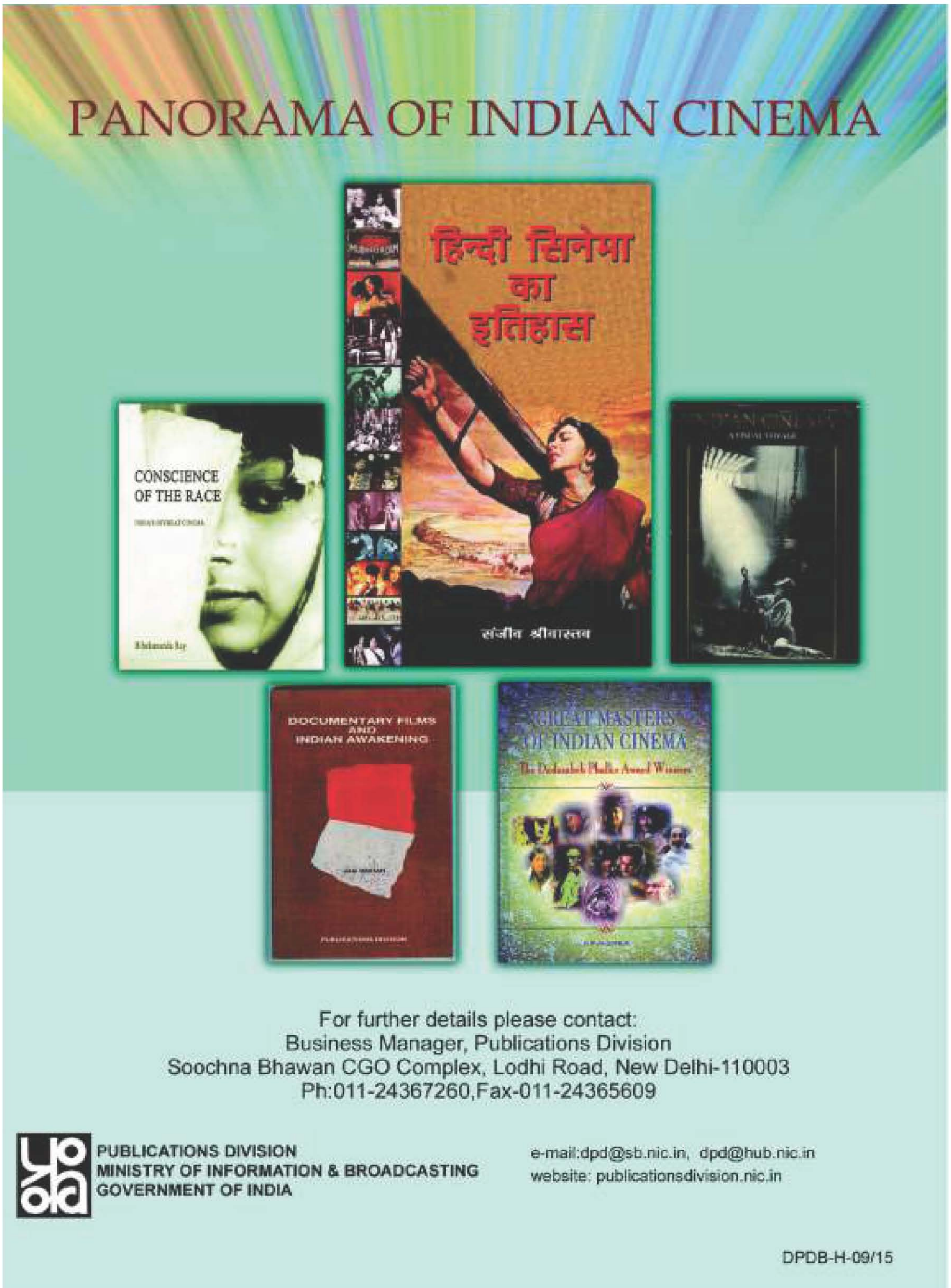

ISSN 0971. 8338

Printed and Published by ***IRA JOSHI***, Additional Director General & Head on behalf of Publications Division, Ministry of I&B, Government of India, printed at CHAAR DISHAYEN PRINTERS PVT LTD, G39-40 SECTOR 3 NOIDA(UP) 201301 and published at Publications Division,Soochna Bhavan,C.G.O.Complex, New Delhi-110003 Senior *Editor:* ***HASAN ZIA***